

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً ط (رواه البخاري)

بار اول
۳۳۰۰

وعظ

سلسلة
۶۲

التهذيب

(اصلاح نفس كا طريقه)

بحکم اللہ مجد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانی مدظلہ
از افادات

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل الرحمن صاحب

شعبہ فتنہ و اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کمران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون کمران بلاک ۶۰-۴۴۸۰۴۴۸-۵۴۲۲۲۱۳ پرنٹنگ ۲۸-۴۵۳۴۲۸

ستمبر ۱۹۹۹ء

جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ

یہ وعظ حضرت والّا نے ۱۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۲ھ کو ۳ گھنٹہ ۲۵ منٹ
بیٹھ کر (رمضان المبارک کی وجہ سے) "تراویح اور قرآن کے حقوق" کے موضوع پر
بیان فرمایا۔

اہل علم و طلبہ کم، عوام زیادہ تھے۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰۰ تھی۔
مولوی محمد عبداللہ گنگوہی نے اسے قلم بند فرمایا۔

التہذیب - ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد لله نحمده ونستعينه و نستغفره ونؤمن به و
نتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات
اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي
له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك ونشهد ان
سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله و صلى الله تعالى
عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم.
اما بعد: فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم . بسم الله
الرحمن الرحيم. ليسوا سواءً من اهل الكتاب امة قائمة
يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون^(۱).

بیان وعظ کی وجہ

آج سے دو جمعہ قبل ایک مبسوط^(۲) تقریر میں بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ
نے خاص خاص حکمتوں کے واسطے دو قسم کی عبادتیں مشروع^(۳) فرمائی ہیں۔
ایک روزہ اور دوسرے تراویح، جس میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور یہ بھی بیان کیا
گیا تھا کہ وہ مصلحتیں اور حکمتیں جب مرتب ہوئی ہیں جبکہ ان دونوں عبادتوں کے

(۱) آل عمران آیت: ۱۱۳۔ یہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں سے ایک جماعت دو بھی ہے جو قائم
ہیں، اللہ کی آیتیں لوگات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں (بیان القرآن) (۲) مفصل اور
جامع تقریر (۳) فرض فرمائی ہیں

حقوق ادا کیے جاویں اور ہر ایک کے جدا جدا حقوق ہیں۔ روزہ کے حقوق ادا کرنے سے اس کی غایات خاصہ مرتب ہوتی ہیں^(۱) اور کچھ حقوق تراویح کے ہیں اور چونکہ اس میں قرآن مجید خواہ پورا ختم یا اس کے بعض اجزاء^(۲) پڑھے جاتے ہیں، اس قرآن خوانی کے اعتبار سے بھی اس تراویح کے کچھ حقوق ہیں اور اس کے منافع جب ہی مرتب ہوں گے^(۳) کہ وہ حقوق ادا کیے جاویں یہ مضمون تو دو جمعہ پہلے بیان کیا گیا تھا اور اس سے پہلے جمعہ میں مضمون سابق کی تسخیم اور تکمیل کے لیے روزہ کے منکرات کو بیان کیا تھا^(۴) آج وہ حقوق بیان کرنا ہے کہ جو متعلق نماز یعنی تراویح کے ہیں، اور نیز روزہ کی طرح ان منکرات^(۵) کا ذکر بھی ضروری ہوگا کہ جو لوگوں نے اپنی طرف سے اس میں شامل کر لیے ہیں۔ اس میں بعض منکرات و حقوق وہ ہوں گے جن کا تعلق مطلق نماز سے ہے اور بعض وہ ہوں گے جو تراویح کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ غرض بعض مضامین وہ ہوں گے جو خاص رمضان المبارک کے متعلق ہیں اور بعض عام۔ اسی طرح تراویح کے ضمن میں جو قرآن مجید کے متعلق حقوق و منکرات بیان کیے جاویں گے بعض ان میں مطلقاً^(۶) قرآن پڑھنے کے متعلق ہوں گے اور بعض وہ مضامین ہوں گے جو رمضان المبارک سے علاوہ رکھتے ہوں گے یہ حاصل ہوگا آج کے بیان کا۔

(۱) جب روزہ اپنے حقوق کے ساتھ رکھا جاتا ہے تو جس غرض کے لیے روزہ فرض کیا گیا ہے وہ حاصل ہوتی ہے (۲) بعض سہارے (۳) لائدہ جب ہی ہوگا (۴) اس سے پہلے مضمون کو مکمل اور تمام کرنے کے لیے روزہ میں ممنوع چیزوں کا ذکر کیا تھا (۵) بری باتوں (۶) صرف قرآن پڑھنے سے متعلق ہیں

شریعت میں فرق مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

یہ بات بھی اول ہی سمجھ لینے کے قابل ہے کہ اگرچہ دونوں قسم کے حقوق بیان کیے جائیں گے۔ تراویح کے بھی اور قرآن کے بھی، لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ مقصود اعظم ان دونوں میں کیا ہے اس لیے کہ شریعت میں فرق مراتب^(۱) کا معلوم کرنا اور اس کا لحاظ برائے^(۲) میں رکھنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جیسے عمل مقصود ہے اسی طرح بعض علوم بھی مقصود ہیں، پھر ان کی مقصودیت دو طرح سے ہے۔ بعض علوم تو عمل کے لیے مطلوب ہیں اور بعض علوم وہ ہیں جو باعتبار علم ہی کے مقصود ہوتے ہیں۔

پس سمجھنا چاہیے کہ قرآن مجید کے اندر دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو نفس قراءات^(۳) کہ جس کے بدون^(۴) نماز نہیں ہوتی، اس کے اعتبار سے جو حقوق ہوں گے وہ تو حقوق صلوٰۃ میں مندرج^(۵) ہو جائیں گے۔ اس کے اعتبار سے فرق بیان کرنا مقصودیت نماز و مقصودیت قرآن میں مقصود نہیں ہے۔ دوسرے رمضان کی تراویح کے اندر جو قرآن ختم کیا جاتا ہے جس کے بدون^(۶) نماز ہو جاتی ہے اس کے اعتبار سے فرق مذکور بیان کرنا منظور ہے۔

مومن اور منافق کی مثال

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید جو نماز تراویح میں ختم کیا جاتا ہے اس میں مقصود کیا ہے تراویح مقصود ہے یا قرآن مجید اور وجہ اس فرق بیان کرنے کی یہ ہے کہ اس کا اثر عمل پر پڑتا ہے، چنانچہ اکثر لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مقصود ختم قرآن ہے۔

(۱) احکام کے مرتبوں میں ہر فرق کا معلوم کرنا (۲) چیز (۳) صرف قراءات (۴) بغیر (۵) شامل ہو جائیں گے (۶) جس کے بغیر

اسی واسطے رمضان المبارک میں نماز کی بری گت بنتی ہے "حتیٰ کہ اس کا اثر فرض پر بھی پڑتا ہے کہ وقت سے پہلے یا مستحب وقت سے پہلے فرض عشاء کے ہوتے ہیں اس لیے کہ اہتمام اس کا ہوتا ہے کہ جلدی ختم ہو جائے تو جلدی مسجد سے بھاگو۔ صاحبو! مسجد میں جی نہ لگنا بری علامت ہے سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے۔ المومن فی المسجد کالسمک فی الماء یعنی مومن مسجد میں ایسا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔ جیسے مچھلی کو پانی سے الگ کرنے میں تکلیف ہوتی ہے اور پانی میں رہنے سے اس کی حیات^(۱) ہے۔ ایسے ہی مومن کا حال مسجد کے ساتھ ہے، اور المنافق فی المسجد کالطیر فی القفس یعنی منافق مسجد میں ایسا ہے جیسے پرندہ پنجرے میں یعنی جیسے پرندہ پنجرے میں پھڑ پھڑاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جلدی نکل جاؤں۔ ایسے ہی منافق کا بھی دل مسجد سے اکتاتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح جلدی خلاصی ہو۔ اور بہانہ یہ ہوتا ہے کہ جلدی سونیں گے لیکن یہاں سے جا کر گھنٹوں حق پیتے ہیں۔

نماز میں نیند آنی کی وجہ

اور ایسے لوگوں نے ایک لطیفہ یاد کر رکھا ہے۔ کہ کسی بزرگ سے کسی نے پوچھا تھا کہ نماز میں نیند کیوں آتی ہے اور ناچ میں کیوں نہیں آتی۔ فرمایا کہ پھولوں پر نیند آیا کرتی ہے اور کانٹوں پر نہیں آتی۔ نماز میں روح کو راحت ہوتی ہے اس لیے نیند آجاتی ہے اور ناچ چونکہ خلاف شریعت ہے اس لیے اس میں اگر کسی جگہ استلاء ہو جائے تو روح کو کلفت^(۲) ہوتی ہے اس لیے نیند نہیں آتی۔ گویا ان حضرات کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی اس قابل ہیں کہ نماز میں ان کو راحت ہوتی

(۱) بری حالت بنائی جاتی ہے (۲) زندگی (۳) تکلیف

۷
ہے۔ یہ لطیفہ کسی صاحبِ حال کے معاملہ کے اعتبار سے ٹھیک ہوگا لیکن ہم سے والوں^(۱) کے حق میں تو درست نہیں ہم لوگوں کے اندر اس کی وجہ اور ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص کے اندر ہمارا جی لگا کرتا ہے تو اس میں ہم سر تاپا مشغول^(۲) ہو جاتے ہیں اور تمام حواس بھی اسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس لیے نیند اڑ جاتی ہے اور نماز میں تمام حواس اس طرف متوجہ نہیں ہوتے اور نیند بھی اڑانے والی توجہ ہی تھی اور کوئی اور کام بھی اس وقت نہیں ہوتا اس لیے نیند آ جاتی ہے۔

استغراق کی حقیقت

باقی ان بزرگ نے کسی خاص شخص کی حالت کے اعتبار سے فرمایا ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ سالکین کو ذکر میں یکسوئی ہوتی ہے اور بعض مرتبہ وہ یکسوئی اس قدر بڑھتی ہے کہ وہ نیند تو نہیں ہوتی مگر مشابہ نیند کے اس بات میں ہوتی ہے کہ جیسے ناظم^(۳) اس عالم سے غیبت ہو جاتی ہے ایسے ہی اس ذکر کو بھی ہو جاتی ہے اس حالت کا نام استغراق ہے۔ چنانچہ اس کے نیند کے مشابہ ہونے پر مجھے حکایت یاد آئی کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ تھانہ بھون میں رہ کر ذکر و شغل فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت اپنے حجرہ^(۴) میں مراقب بیٹھے تھے حضرت حاجی صاحب نے ایک سوار فوجی کو مہمان آئے تھے ارشاد فرمایا کہ جاؤ مولانا کو بلا لؤ انہوں نے آکر دیکھا تو حضرت کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آنکھیں بند پچھارہ فوج کا آدمی اس کو کیا خبر یہ کیا کر رہے ہیں جا کر عرض کیا کہ حضرت وہ تو ٹول^(۵) رہے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب سمجھ گئے کہ مشغول^(۶) ہیں۔ پھر نہ بلایا اور

(۱) ہم بیسوں کے حق میں (۲) مکمل طور پر مشغول (۳) جیسے سوئے والا اس دنیا سے بے خبر ہوتا ہے ایسے ہی ذکر بھی (۴) چھوٹا سا حجرہ (۵) نیند میں محو رہے ہیں (۶) ذکر کرنے میں مشغول ہیں

حضرت کا مولانا نہ بلانے کا راز ایک بزرگ کے ایک محفوظ سے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص مشغول مع اللہ^(۱) کو اپنی طرف مشغول^(۲) کرے اور کہ المقت فی الوقت۔ یعنی اس کو اسی وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضی لاحق ہوتی ہے بڑی زیادتی اور بے احتیاطی کرتے ہیں وہ لوگ جو کسی مشغول باللہ^(۳) کو اپنی طرف متوجہ کریں۔

بزرگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی بری حرکتیں

اکثر لوگ بزرگوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کو مشغول پاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کو اپنی طرف متوجہ کریں تو ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے دل بٹ جائے۔ کیا کرتے ہیں بعضے تو السلام علیکم پکار کر کرتے ہیں یا دیکھو جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہو یا ذکر و شغل میں مشغول ہو اس کو سلام مت کرو۔ جا کر دیکھو کہ وہ کس حالت میں ہیں اگر سلام کا موقع ہو تو سلام کرو ورنہ چپکے سے ایسے طور سے بیٹھ جاؤ کہ ان کو تمہارے آنے کی بھی خبر نہ ہو۔

جب میں جلسہ دیوبند میں گیا تو علیل تھا بلکہ ارادہ بھی جانے کا نہ تھا۔ ایک بار نماز کے وقت پاہارت^(۴) امام نماز پڑھانے کے لیے مصلے پر جانے کا راہ^(۵) میں وہاں مصافحوں کا جو ہجوم ہوا مصافحے کرتا کرتا حیران ہو گیا خیر جوں توں^(۶) کر کے مصلے کے قریب پہنچ گیا تو دوسری صف میں سے ایک شخص نے ٹکل کر ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور مصافحہ کر کے چھوڑ دیا ایک بار وطن میں بعد نماز کے کچھ اور اہل مصلے پر بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص سپاہی سا آ کر کھڑا ہو گیا اور باوازا بلند

(۱) جو شخص اللہ کے ذکر میں لگا ہوا ہو (۲) اپنی طرف سے متوجہ کرے (۳) جو اللہ کے ذکر میں لگا ہوا ہو (۴) امام صاحب کی اجازت سے (۵) راستہ میں (۶) جیسے جیسے کر کے (۷) جانے نماز پر بیٹھا و تحیفہ پڑھ رہا تھا

پشت کی طرف کہا کہ مصافحہ - میں نے کہا وظیفہ - اور بعضے کیا کام کرتے ہیں حلق سے کام لیتے ہیں یعنی کھانستے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم آئے ہیں وظیفہ چھوڑ کر ہم سے باتیں کرو بعض باتوں کی آہٹ^(۱) سے کام لیتے ہیں بعضے پاؤں کو زمین پر مارتے ہیں، جو شخص کہ مشغول ہو اس کو جب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میرا منظر ہے اس کا دل بٹ جاتا ہے اور دل پر بوجھ ہوتا ہے اور بعضے جو بہت ادب سے کام لیتے ہیں وہ چپکے سے ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں مگر بیٹھتے ہیں ایسی جگہ کہ اس مشغول شخص کی نظر بار بار پڑے یا درکھو اگر انتظار کرنا ہو تو ایسی جگہ بیٹھو جہاں اس کو خبر بھی نہ ہو۔ جب دیکھو کہ اب فارغ ہو گئے ہیں اس وقت ملو۔ ہاں خدا نخواستہ اگر کوئی مرتا ہو یا کوئی کنویں میں گرنا ہو تو اس وقت وظیفہ تو الگ رہا فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے لیکن غضب تو یہ ہے کہ معمولی بات کے لیے آکر حرج کراتے ہیں۔ ایک شخص میرے پاس آیا میں کچھ پڑھ رہا تھا میں اٹھ کر گیا کہ کیا ہے کھو کھنے کا نتیجہ (تعویذ) چاہیے پوچھا کا ہے کا۔ کہا بھکار آوے (بخار آتا ہے) لیجیے ایک تعویذ کے واسطے اس بندہ خدا نے میرا حرج کیا۔

میں صبح کو اپنی مصلحت سے جنگل چلا جاتا ہوں بعض حضرات وہاں ہی پہنچتے ہیں بعض حضرات ایک اور حرکت کرتے ہیں۔ وہ وہ ہیں جو ذرا بزرگ ہیں وہ یہ کرتے ہیں کہ بیٹھ تو جاتے ہیں الگ ہی لیکن قلب^(۲) سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر کیا شیخ صاحب کثف نہ ہو تو اس کا کچھ حرج نہیں اور اگر وہ صاحب کثف ہے تو اس کو اور اک^(۳) ہوگا کہ کوئی شخص میری طرف متوجہ ہے اس کو تکلیف ہوگی۔

ایک شخص ہمارے حضرت حاجی صاحب کے یہاں آئے اس وقت

(۱) حاتوں کی بلکی سی آواز (۲) دل سے (۳) اس کو معلوم ہو جائے گا

حضرت ہالا خانہ^(۱) پر تشریف رکھتے تھے۔ وہ شخص حضرت کا خیال کر کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت آرہے ہیں۔ اس طرف نظر اہل تحقیق کی پہنچتی ہے وہ اس سے بچتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک شخص یہاں آئے اور آکر ٹٹولنے لگے یعنی مراقب^(۲) ہوئے کہ دیکھیں حضرت کی نسبت کن درجہ کی ہے۔ حضرت سیدھے ہو بیٹھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: یا ایہا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا الخ^(۳) اور فرمایا قال اللہ تعالیٰ: لاتجسسوا^(۴) اور فرمایا کہ یہ بھی تجسس حرام کے اندر داخل ہے۔ یہ چوروں کی طرح گھسن گھسنا جائز ہے اور فرمایا کہ میاں جو چھپانے والے ہوتے ہیں ہزار گھریں^(۵) مارا کرو وہ پتہ بھی نہیں دیتے۔ انہوں نے فوراً پاؤں پکڑ لیے۔

قلبی تصرف کر کے بدیہ لینے کی حقیقت

اسی طرح تصرف سے کسی سے کچھ وصول کرنا یہ بھی حرام ہے بعض اہل تصرف اس کو بزرگی سمجھتے ہیں کہ کسی کی طرف متوجہ ہو گئے کہ یہ شخص ہم کو پانچ سو روپیہ دے گا تصرف کے اندر یہ اثر ہے کہ اس شخص کا قلب مغلوب ہو کر متاثر

(۱) گھر کے اوپر کے پورشن میں تھے (۲) دل سے متوجہ ہوئے (۳) انور آیت: ۴۷۔ اسے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرو (۴) اور تجسس نہ کرو (۵) جتنی چاہے کوشش کرو

ہو جاتا ہے اور وہ وہی کام کرتا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حلال ہے، حالانکہ حرام^(۱) ہے، اور ایسا ہی حرام ہے جیسے کسی کو مار کر کچھ چھین لیا جائے اور ایسے دیے ہوئے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعد میں آدمی پھپھاتا ہے۔

صاحب تصرف فقیر کی حکایت

ایک فقیر صاحب کا تصرف^(۲) تھا وہ کچھ پڑھ کر پیشانی پر مٹی لگا لیتا تھا پھر جس بات کا وہ خیال کرتا تھا اسی طرح لوگ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ایک انگریز کے پاس گیا اس انگریز نے اس کی صورت دیکھتے ہی خانہ سال کو حکم دیا کہ اس کو سو

(۱) شبہ:- فقہی روایت بھی اس میں اگر کوئی مل جائے تو بہتر ہے ورنہ بظاہر فتوے کی رو سے جائز معلوم ہوتا ہے گو تھوڑے کے خلاف ہو اور اگر ناجائز ہو تو کسی صاحب ریاضت کو دیکھ کر جو ایک بے انتہا کشش اس کی طرف ہوتی ہے اگرچہ وہ صاحب ریاضت تصرف نہ کرے اور اس کشش کے غلبہ سے کچھ وہ ان کی خدمت کرے اور جب وہ اثر نہ رہے تو پھپھاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی محبت تو قلب میں راسخ نہیں ہے تو چاہیے یہ بھی ناجائز ہو ورنہ ماہ الفرق کیا ہے ۱۲ جامع

جواب: فقہی روایت اس کی موید وہ ہے جو کتاب الطہر والاباحت میں کتب فتاویٰ میں لکھی ہے زوجہ کو تعویذ حب کا زوج کے لیے حرام ہے اس کی وجہ یہ ہی ہے کہ اس کے اثر سے زوج کو ایسے امر کے لیے مغلوب کرنا ہے جو اس پر واجب نہیں یہی علت یہاں بھی ہے پس اشتراک علت سے حکم مشترک ہو گا اور صاحب شبہ کے مقیس علیہ میں اور اس میں فرق ظاہر ہے کہ اس مقیس علیہ میں اس صاحب ریاضت نے نہ اس کا قصد کیا نہ اس کو اس کا علم اور مدار ثعلیف یہی دو امر ہیں اور مقیس میں خود قصد کیا ہے جو مسبوق بالعلم ہوتا ہے اور اگر مقیس علیہ میں بعد میں علم ہو جاوے کہ دینے کے بعد پھپھاتا ہے تب بھی واپس کرنا واجب نہیں کیونکہ شرط علت طیب قلب وقت والإعطاء ہے بعد میں اس کا بقا ضروری نہیں البتہ مروت و بہت اسی میں ہے کہ واپس کر دے چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ کو کسی اعرابی نے بد یہ دیا آپ نے اس کا بہت سا بدل دیا مگر وہ راضی نہ ہوا مگر آپ سے یہ منقول نہیں کہ واپس فرمایا ہو۔ اس سے تو عدم وجوب واپس کا ثابت ہوا۔ اور آپ چونکہ بدل دے چکے تھے جو حکم مبدل ہے اس سے واپسی کا اثر الی الامت ہونا معلوم ہوا۔ ۱۲ اشرف

(۲) جو لوگوں کے دلوں کے خیالات کو اپنی مرضی کے مطابق پھیر لے

روپے دیدو۔ جب وہ چلا گیا تو بہت پچھتایا کہ یہ میں نے کیا کیا فوراً خانساں سے کہا کہ اس کو پکڑو۔ جب وہ آیا صورت دیکھتے ہی کہا کہ اس کو وہ سو روپے دیدو کچھ نہ کہو۔ پھر وہ چلا گیا تو نادام ہوا پھر خانساں سے کہا کہ اس کو پکڑو جب وہ سامنے آیا پھر یہی کہا۔ تیسری بار میں خانساں نے کہا کہ آپ تودق^(۱) کرتے ہیں آپ لکھ دیجیے۔ چنانچہ اس نے سو روپے دینا اس سے لکھو الیا اس وقت وہ نادام^(۲) تو ہوا لیکن چونکہ لکھ چکا تھا اس لیے کچھ نہ بولا۔ پس اس طرح کسی کام لینا یا نکل ایسا ہی ہے جیسے لٹہ مار کر لینا۔

اصل کمال اتباع سنت ہے

ہمارے حافظ صاحب جناب حافظ ضامن صاحب شید کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب / حرم بھی صاحب نسبت تھے اور بھوپال میں تحصیلدار تھے۔ ایک صاحب تصرف فقیر یہ سمجھ کر کہ یہ تو ایک تحصیلدار ہیں ان کی صرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ ان کو معلوم ہو گیا فوراً یہ شعر پڑھا۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں بمنوں

کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

حافظ صاحب کا یہ شعر پڑھنا کہ تھا کہ وہ بڑے^(۳) گر پڑے اور کہا کہ حضور میں تو آپ کا ہی شغل^(۴) رنگین ہوں۔ حافظ صاحب نے اس کو نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ تو بہ کرو کس خرافات^(۵) میں مبتلا ہو اتباع سنت کرو بڑی شے اتباع سنت^(۶) ہے۔ تصرف کوئی شے^(۷) نہیں ہے اور یاد رکھو جو عمل باتہ پاؤں سے

(۱) پریشان کرتے ہیں (۲) ہر منہ (۳) فوراً گڑ پڑا (۴) آپ ہی کام مسلک ہوں (۵) کن بے سود ہاتھوں میں مشغول ہو (۶) اصل کمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرنا ہے (۷) تصرف کوئی چیز نہیں ہے

ناجائز ہے وہ قلب سے بھی ناجائز ہے بعض لوگ تسخیر کے لیے "عمل کیا کرتے ہیں یہ بھی حرام ہے اور اگر کسی بزرگ کو دیکھا ہو کہ وہ میاں بیوی میں محبت ہونے کے لیے عمل کرتے ہوں تو وہ اس درجہ کا عمل کرتے ہیں جس سے میاں حقوق واجبہ ادا کرنے لگے یہ نہیں کہ وہ مغلوب الواس^(۱) ہو جائے۔

اصل تسخیر تہذیب اخلاق ہے

بزرگوں کے پاس تسخیر کا عمل تو تہذیب اخلاق ہے اس سے بڑھ کر کوئی تسخیر نہیں جس کی نسبت کسی نے کہا ہے
اطلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے
خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

جو خدا کا مطیع ہوتا ہے وہ سب کا محبوب ہو جاتا ہے اور اگر وہ غصہ بھی کرتا ہے تو اس کی سب سہتے ہیں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ مزاج کے تیز تھے اور جذبہ بھی تھا وزیر حیدر آباد آئے حکم دیدیا کہ کالو، کسی نے عرض کیا کہ حضرت وزیر میں فرمایا میں کیا کروں جو وزیر ہے۔ جب بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا دو بجے رات تک رہنے کی اجازت ہے۔ حیدر آباد کے امراء بھی اللہ کے بزرگوں کے بہت ہی معتقد ہوتے ہیں، اس شخص نے باوجود وزیر ہونے کے برا نہیں مانا اور دو بجے رات کو چل دیا اور یہ کہا کہ بھائی اب مولانا کا حکم نہیں ہے تو یہ کیا بات تھی ان کے کھننے سے کیوں برا نہ مانتے تھے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کا جو کام ہے اللہ کے واسطے ہے نفس کے واسطے نہیں ہوتا۔ نرمی کریں جب اور

(۱) جنات کو اپنے تابع کرنے کا عمل کرتے ہیں (۲) ایسا نہیں کہ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی سب ختم ہو جائیں

سستی کریں تب، جو بات ہے وہ سب اللہ ہی کے واسطے ہے اور حق تعالیٰ سب کے محبوب حقیقی ہیں آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ معشوق اگر گالی دے یا گھونہ مارے تو عاشق نے برا مانا ہو بلکہ گھونے کھانے میں بھی مرزا آتا ہے۔ اور عاشق یہ کہتا ہے۔

نشود نصیب دشمن کہ ہلاک تیغت

سر دوستاں سلامت کہ تو خیر آزمائی

(بر دشمن کا یہ نصیب نہیں ہے کہ وہ تیری تیغ سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خیر آزمائی کر رہا ہے)

اس لیے یہ بھی سب کے محبوب ہیں، اس لیے ان کے سب حرکات بھی محبوب ہیں اور اسی واسطے جس قدر اہل کمال ہیں ان کے کمالات کے تذکرہ کرنے میں تو لذت آتی ہے مگر اہل اللہ کے منہ اور رونے اور بیٹھنے اور سونے کے تذکرہ میں بھی مرزا آتا ہے۔ ان کی سب حرکات میں محبوبیت کی شان نظر آتی ہے جس کا راز اصلی یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے محب اور محبوب ہوتے ہیں۔ پس اصل تسخیر تو یہ ہے اور تسخیر کے عمل کو وہ حرام جانتے ہیں۔

ہر حال جو شخص مشغول ہو اس کی طرف قلب سے بھی مستوجہ نہ ہونا چاہیے یہ وجہ تھی اور یہ راز تھا کہ حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا کو پھر نہیں بلایا۔ پس وہ حالت مشابہ نیند کے ہوتی ہے اور یہ سالکین شاذین کو پیش آتی ہے پس ایسی حالت والوں کے اعتبار سے وہ نکتہ چل سکتا ہے باقی ہم لوگوں کو نیند آنے کی یہ وجہ نصیب نیند آتی ہے اسباب طبعیہ^(۱) کی وجہ سے فرق اتنا ہے کہ نماز میں تو کوئی شے دفع نوم^(۲) موجود نہیں ہے اور ناچ رنگ میں موجود ہے۔

(۱) طبی تھکنے کی وجہ سے (۲) نیند کو دور کرنے والی چیز

نماز میں کی جانے والی کوتاہیاں

حاصل یہ ہے کہ لوگوں کا نماز میں جی نہیں لگتا اور یہ کچھ تراویح کے ساتھ خاص نہیں بعض لوگ جامع مسجد میں سب سے پہلے آتے ہیں لیکن بیٹھتے ہیں ساہان میں ہوا کے واسطے یہ اتباع ہوا ہے جس کی نسبت داؤد علیہ السلام جیسے پیغمبر کو یہ ارشاد ہے۔ **ولا تتبع الہوی فیضلک عن سبیل اللہ** (۱)۔ بعض لوگ اس مصلحت سے بھی باہر بیٹھتے ہیں کہ جلدی سے بھاگ جاویں گے۔ اس لیے کہ شاید ہمارے پیچھے کوئی ایسا شخص نیت باندھ لے کہ قرعینہ ہی ہو جائے اس لیے بس امام نے سلام پھیرا اور چل دیے، ایک آقا صاحب اپنے نوکر کے ساتھ شرط باندھ کر نماز پڑھا کرتے تھے کہ دیکھیں پہلے کون فارغ ہو ایک ظریف صاحب نے دیکھ کر کہا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اذکار اور قراءت تو تم گھر پر پڑھ لیتے ہو یہاں خالی اٹھنا بیٹھنا رہ جاتا ہے اور تراویح میں تو خصوصیت سے اہتمام کرتے ہیں کہ جلدی فراغت ہو، اسی واسطے بہت جلدی کھڑے ہوتے ہیں، اور اس جلدی کھڑے ہونے میں تین حالتیں ہیں بعض جگہ تو اذان بھی وقت پر ہوتی ہے اور فرض و تراویح بھی وقت پر ہوتے ہیں خیر اتنی جلدی تو قابل شکایت نہیں گو دلیل بے رغبتی کی ہے، اور بعض جگہ اذان ہوتی ہے وقت سے پہلے اور فرض و تراویح وقت پر ہوتے ہیں اور بعض جگہ نہ اذان وقت پر ہو اور نہ فرض وقت پر، یہ لوگ اپنے نزدیک جب دیکھ لیتے ہیں کہ سرخی غائب ہو گئی بس اذان کھدیتے ہیں۔

عشاء کا اول وقت

حالانکہ امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ سرخی کے بعد جو سفیدی ہوتی ہے

(۱) سورۃ المؤمن آیت: ۳۶ ترجمہ: اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ خدا کے راستے سے تم کو ہٹا دے گی۔

جب وہ غائب ہو جائے اس وقت عشاء کا وقت آتا ہے اور ریاضی کے قاعدہ سے بھی امام صاحب کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ دیکھنا اس بات کا ہے کہ شفق کی حقیقت کیا ہے سو شفق واقع میں اثر ہے قرب آفتاب کا^(۱) ہے، یہ نور اس کی شاعوں کا ہے اور شفق اس وقت ہوتی ہے جبکہ آفتاب افق سے اشارہ درجہ پر ہو۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسری بات یہ ہے کہ شفق دو وقت ہوتی ہے طلوع سے پہلے اور غروب کے بعد، صبح میں سب کا اتفاق ہے کہ سفیدی کے بعد صبح ہو جاتی ہے اور رات ختم ہو جاتی ہے پس وہ سفیدی دلیل نہار کی ہے پس اسی طرح غروب کے بعد بھی سفیدی تک نہار کا اثر ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ہر موسم میں تقریباً برعادت الاحتیاط غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ سفیدی غروب ہوتی ہے۔ پس غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد کم از کم عشا کی اذان ہونا چاہیے اور نیز اذان اور نماز میں کچھ فصل بھی ہونا چاہیے کم از کم آدھ گھنٹہ کافی ہے۔ پس غروب سے پورے دو گھنٹہ بعد عشا کے فرض ہونا چاہیے اور اس سے پہلے کھڑے ہونا تعجیل غیر مناسب ہے۔

تعجیل اور سرعت میں فرق

بعضے پڑھے جن ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نیک کام میں جلدی کرنا چاہیے۔ اہی حضرت نیک کام میں سرعت آتی ہے جس کی نسبت یسار عون فی الخیرات^(۲) آیا ہے۔ سرعت اور شے ہے اور تعجیل اور شے سرعت کہتے ہیں التقدم فیما یجوز التقدم فیہ^(۳) کو، اور تعجیل کے معنی ہے

(۱) سورج کے افق سے قریب ہونے کا اثر ہے (۲) آل عمران آیت ۱۱۴۔ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں (۳) اس کام میں آگے بڑھنا جس میں آگے بڑھنا جائز ہو

التقدم^(۱) فیما لا یجوز التقدم فیہ^(۲) اس کی نسبت العجلۃ من الشیطان^(۳) آیا ہے۔

آج کل کے مجتہدین کی مثال

آج کل مجتہدین بہت پیدا ہوئے ہیں، ایسے ہی ایسے مجتہدوں نے دین کو خراب کیا ہے اور ایسے ایسے مجتہد ہزاروں ہیں اور ان کے القاب بھی عجیب عجیب ہیں۔ کوئی لیڈر ہے کوئی ریفاہر کملا تے ہیں، ایسوں ہی کی نسبت جو کہ شرائع میں تعریف کرتے رہتے ہیں کسی نے کہا ہے۔

گر بہ میر و سنگ وزیر و موش را دیواں کنند
انہیں ارکان دولت ملک را دیواں کنند^(۴)

ناس کر دیا ہے ان خیر خواہوں نے اسلام کا، بلکہ سچ یہ ہے کہ اپنا ناس کر لیا ہے اسلام کو یہ کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ اسلام کی تو وہ کیفیت ہے۔ یریدون ان یطفئوا نور اللہ باقواہم واللہ متم نورہ^(۵)۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تفت زند ریش بسوزد
اگر گیتی سرا سر باد گیرد چراغ متبلاں ہرگز نہ میرد^(۶)

(۱) لیکن تعجیل کے یہ معنی حدیث لایزال امتی بخیر یا عملوا الاقطار اخرو لمسور کے اندر نہیں بنتے ۱۳۔ البوابہ: یہاں یا معنی الاعم استعمال کیا گیا ہے پس یہ محاذ ہو گا یا اسل یہ ہے کہ تعجیل کی دو قسم ہوں محمود اور مذموم ۱۲ اشرف (۲) اس کام میں آگے بڑھنا جس میں آگے بڑھنا جائز نہ ہو (۳) جلدی کا کام شیطان کا (۴) جی کو اسیر بنا پاکنے کو وزیر اور خرگوش کو دربان مقرر کیا۔ مملکت کے لیے ایسے ارکان جن کی مملکت کو ویران کر دیا (۵) وہ اللہ کے نور (اسلام) کو اپنے منہ کی چوٹوں سے بجھانا چاہتے اور اللہ اس نور (اسلام) کو پورا کرنا چاہتے ہیں (۶) جس چراغ کو اللہ روشن کرے جو اس کو بجھانے کے لیے چوٹک مارے گا اس کی لہنی وار معنی مل جائیگی اگر پوری زمین جی ہو انہی ہاتے تب بھی مقبول کا چراغ گل نہیں ہوگا

لیکن انہوں نے تو اس شمع کے بے نور کا ارادہ کر لیا ہے گو وہ شمع روشن رہے اسلام کی تو وہ حالت ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت در بستان ست خیم و خفانہ بامہر و نشان است^(۱)

واللہ اسلام میں ذرہ برابر بھی ان کی کر تو قوتوں سے فرق نہیں آیا اور وجہ اصلی اس کی یہ ہے کہ سرکاری وعدہ ہے وانا لہ حافظون^(۲) کہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور ظاہری صورت اس کی یہ ہے کہ خادمان دین ہزاروں کی تعداد میں حق تعالیٰ نے پیدا فرمادیے ہیں جو منصورین من الحق^(۳) ہیں ایک جماعت کی جماعت اس کام کے لیے پیدا کر دی ہے کہ وہ ہمیشہ دین کے اندر اجزاء مختلفہ^(۴) کو جدا کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ دین اس قدر ہے اور اتنی بات اس میں بددینی کی ہے اس لیے کسی کی کچھ نہیں چلتی ورنہ ان اہل الرائے کا اثر تو واقعی بہت زبردست تھا جس کی نسبت ارشاد ہے وان کان مکرمھ لتزول منہ الجبال^(۵)۔ گویا ان کے کمروں کو دیکھ کر اسلام بزبان حال کہتا ہے۔

قتل این خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نہ بود

ور نہ بیچ از دل بے رحم تو تقصیر نہ بود^(۶)

لیکن خدا تعالیٰ کی حفاظت ہے اور قیامت تک حسب وعدہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام^(۷) برابر رہے گی۔ باقی ان لوگوں نے اپنے اجتہاد سے پورا کام لے لیا ہے یا در کھو قرآن شریف کی تفسیر کرنا آسان کام نہیں ہے اس کے لیے

(۱) اس کا ابر رحمت اب بھی برس رہا ہے کہ جام اور ضرب خانہ کا باقی ہونا اس کی رحمت کی نشانی ہے
(۲) اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (۳) جن کو اللہ کی مدد حاصل ہے (۴) دین میں شامل کردہ اجزاء کو ٹکڑے کر دیتے ہیں (۵) اگرچہ انکا کمر اس قسم کا تھا کہ اس سے تو پہاڑ بھی مل جائے (۶) اس کمزور کا قتل تیر ہی عمار کے مقدور میں نہیں تھا ورنہ تیر سے بے رحم دل نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی (۷) اسی خبر دینے والے یعنی محمد ﷺ

چودہ علم میں مہارت کاملہ ہونے کی شرط ہے جیسا صاحب کثاف^(۱) نے لکھا ہے
پس آپ کسی آیت کی تفسیر نہیں سمجھ سکتے۔ پس اب وہ شبہ یسار عون فی
الخیرات سے جو ہوا متادفع ہو گیا۔

تراویح میں کی جانے والی کوتاہیاں

بعض لوگ تو تراویح سے جلدی فارغ ہونے کے لیے اس قدر عجلت کرتے
ہیں کہ سبحانک اللہ بھی نہیں پڑھتے اور التیاب کے بعد درود شریف تو شاید کوئی
اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا اور التیاب بھی بہت تیز پڑھتے ہیں ان سب امور سے معلوم
ہوتا ہے کہ مقصود صرف قرآن خوانی کو سمجھتے ہیں نماز کو مقصود نہیں جانتے ورنہ
اس کے اجزاء میں یہ کتر بیونت^(۲) نہ کرتے۔ اور قرآن بھی اس قدر تیز پڑھتے
ہیں کہ ہمز "غفوراً اور شکوراً" کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پڑھا غرض یہ چاہتے
ہیں کہ جلدی سے خلاصی^(۳) ماہو۔

حکایت

جیسے ایک سررشتہ دار اور ایک ان کے نائب دونوں ایک کچہری میں تھے۔
انگریزان کو نماز کے وقت اجازت دے دیتا تھا کہ تم نماز پڑھ آؤ۔ تو سررشتہ دار
صاحب تو نمازی تھے وہ تو بہت دیر میں نماز شروع و خضوع سے پڑھ کر آتے
تھے۔ اور نائب صاحب بے نمازی تھے وہ تھوڑی دیر میں واپس آجاتے۔ صاحب
نے ایک روز پوچھا کہ تم بہت جلدی آجاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز نہیں
پڑھتے۔ کہا حضور سررشتہ دار صاحب نے نمازی میں نماز ان کو آتی نہیں وہ سوچ

(۱) کتاب کا نام ہے (۲) کاٹ تراش نہ کرتے (۳) جلدی سے جان چھوٹے

سوچ کر پڑھتے ہیں اور مجھ کو نماز کی مشق ہے نماز میری گھٹی^(۱) میں ہے، پرانا نمازی ہوں بالکل خوب یاد ہے اس لیے جلدی پڑھ کر آتا ہوں۔

ہماری نماز کی مثال

مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہماری نماز کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑی کہ اس کو کوکنے^(۲) کی تو ضرورت ہوتی ہے مگر ایک مرتبہ جب کوک دی^(۳) تو پورے چوبیس گھنٹہ کے بعد وہ بند ہو گئی اسی طرح ہماری نماز ہے کہ شروع کرنے کی دیر ہے جب شروع کر دی بس پھر تو مشین کی طرح آپ سے آپ^(۴) تمام ارکان ادا ہو رہے ہیں السلام علیکم ہی پر جا کر خبر ہوتی ہے خصوصاً تراویح کا تو بہت ہی ناس کرتے ہیں حالانکہ نماز کی بنیت اور اس کے تمام احکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور قلب کی بہت ہی رعایت رکھی گئی۔ چنانچہ تراویح میں ہر چار رکعت پڑھنے سے جو ٹکان ہو گیا ہے اس سے سکون ہو جائے اور نشاط^(۵) عود کر آوے گا طبیعت تازہ ہو جائے گی۔ آئندہ چار رکعت اطمینان سے ادا ہوں گی اب بعض حفاظ تو بالکل بیٹھتے ہی نہیں اور بعض جو بیٹھتے ہیں تو پالا سا چھو^(۶) دیتے ہیں۔ یہاں تک تو امام صاحب کی زیادتوں کا بیان تھا۔ اب مقتدیوں کی سیئے۔ انہوں نے ایک عجیب ترکیب نکالی ہے۔ وہ یہ کرتے ہیں کہ لیٹے رہتے ہیں یا بیٹھے سویا کرتے ہیں۔ جب دیکھا کہ امام اب رکوع میں جائے گا فوراً نیت باندھ کر شامل ہو گئے اور بعضے جو اول^(۷) سے شامل بھی ہوتے ہیں تو محض سستی کی وجہ سے قیام چھوڑ دیتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے پڑھتے ہیں اور پڑھتے کیا ہیں بعضے تو اچھی خاصی

(۱) جنی میں بنی سے نماز پڑھنے کا عادی ہوں (۲) ہائی دینے کی ضرورت ہے (۳) ہائی دیدی (۴) خود خود

(۵) نشاط واپس آجائیکا (۶) اور اسی دیر کو بیٹھ کر فوراً چھوٹے ہو جاتے ہیں (۷) شروع سے

طرح سوتے ہیں۔ غرض امام اور مقتدی نے سب نے مل کر ترویج کی یہ گت بنائی ہے۔ پس یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ نماز کو مقصود ہی نہیں سمجھا زیادہ تر ختم قرآن اٹکا پیش نظر ہے اس لیے ضروری ہوا کہ ان دونوں کا فرق بیان کیا جاوے۔

مقصود ترویج ہے ختم قرآن نہیں

سو یاد رکھو کہ ان دونوں عبادتوں میں مقصود اعظم نماز ہے ختم قرآن تابع ہے اور یہ فرق میں نے اپنی طرف سے نہیں گھڑا اس لیے کہ ہم تعین کرنے والے کون ہوتے ہیں فقہاء نے ترویج کو سنت موکدہ لکھا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہم پند ہیں۔ لیکن آگے چل کر ایک جزئیہ لکھا ہے اس سے میرے قول کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی قوم پر کسل^(۱) غالب ہو اور گمان غالب ہو کہ اگر یہاں قرآن پڑھا جائیگا تو لوگ نہ سنیں گے تو ایسی جگہ پورا قرآن شریف نہ پڑھا جاوے اور بیس رکعت تراویح الم ترکیف سے پڑھ لیں^(۲) یہ نہیں فرمایا کہ رکعتوں میں اقتصار^(۳) کر دیں مثلاً بیس کی جگہ آٹھ ہی پڑھ لیا کریں یا بلا نماز^(۴) ہی قرآن ختم کر لیں فقہاء نے لوگوں کی حالات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے انہوں نے دیکھا کہ اگر قرآن ختم کیا جاوے گا تو لوگ تراویح ہی چھوڑ دیں گے چنانچہ اسی بنا پر وہ فرماتے ہیں من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل^(۵) غرض اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ مقصود اعظم نماز ہے اور ختم قرآن تابع ہے جب فقہاء کے قول سے تائید ہو گئی اب ہم کو گنجائش ہے کہ ہم دوسری جگہ سے

(۱) سستی کا غلبہ ہو (۲) اس طرح کہ پہلے دس ترویج میں یہ سورتیں پڑھیں اور پھر دوسری دس میں یہ سورتیں دوبارہ پڑھ کر بیس رکعت پوری کر لیں (۳) رکعتوں میں کمی کر لیں (۴) بغیر نماز ہی کے (۵) جو اہل زمانہ کو نہ پہچانے وہ جاہل ہے

تائید اس کی بیان کریں وہ یہ ہے کہ نماز اور قرآن کی وضع کے اندر جو غور کیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قراءۃ قرآن تابع ہے اور صلوٰۃ متبوع^(۱) اس لیے قراءۃ صلوٰۃ کا جز بنایا گیا ہے اس لیے کہ صلوٰۃ نام ہے قیام قراءۃ رکوع، سجدہ، قنود، جلسہ مجموعہ، کا اور قرآن اس کا جز ہے اور قاعدہ عقلی ہے کہ والکل اشرف من الجز^(۲) اس لیے کہ جو فضیلت قرآن مجید کی ہے نماز میں وہ بھی حاصل ہوگی اور دوسرے ارکان کی فضیلت اور شامل حال ہو جائے گی۔

شبہ اور اس کا جواب

باقی اس پر ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن جو موقوف علیہ ہے تابع نماز کا ہے اسی درجہ میں ہے جس درجہ میں توقف ہو اور موقوف علیہ صرف تین آیتیں ہر رکعت میں ہیں^(۳) یہ طویل مقدار موقوف علیہ نہیں ہے پس ختم قرآن کا تابع ہونا کیسے مقصود ہوا اور گفتگو اسی میں تھی پس ممکن ہے کہ تین آیت کی قدر تو قرآن تابع ہو اور اس سے زیادہ تابع نہ ہو اس کا جواب دیتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ یہ جو کما جاتا ہے کہ اس قدر قراءت فرض اور اس قدر واجب اور اس قدر مستحب ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اتنی مقدار پر کفایت کرنا فرض و واجب ہے اور زیادہ پڑھنا مستحب ہے پس یہ فعل فرض یا مستحب ہوگا باقی قراءت وہ جس قدر پڑھی جاوے گی سب کو یوں ہی کہیں گے کہ یہ سب فرض ہی واقع ہوگا پس اب تمام قرآن جزو صلوٰۃ بن کر تبعیت ثابت ہو گئی

(۱) نماز اصل ہے اور قراءت قرآن اس کے تابع ہے (۲) اور کل جز سے افضل ہوتا ہے (۳) مطلب یہ ہے کہ قراءت قرآن جو نماز کا ایک رکن ہے جس پر نماز کی درستگی موقوف ہے وہ صرف ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات ہیں پس باقی قرآن تابع نماز نہ ہوا

غرض اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ مقصود اعظم نماز ہے۔

حقوق تراویح

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح جس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس کے حقوق مطلق تلاوت قرآن سے زیادہ ہوں گے اس لیے کہ جس قدر حقوق مطلق کے ہوں گے وہ سب بھی اس نماز کے ہوں گے بجز نیت^(۱) اور نماز کے حقوق علیحدہ ثابت ہوں گے پس اس کا بہت زیادہ اہتمام اور رعایتیں کرنا چاہیے منجملہ ان حقوق اور رعایات کے کہ جس میں فرو گذاشت^(۲) ہو رہی ہے تعدیل ارکان^(۳) ہے اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ارکان اطمینان کے ساتھ ادا ہوں دوسرے یہ کہ قرآن اس قدر پڑھا جائے کہ جو مقتدیوں کو گراں نہ ہو اور اگر مقتدیوں کو گراں ہو تو ان کو منافقتیں سے مشابہت ہو جاوے گی جن کی نسبت ارشاد ہے۔ اِذَا قَامُوا اِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى^(۴)۔ جس کا سبب یہ امام ہوا۔ عبادت مستحبہ وہی بہتر ہے جو نشاط کے ساتھ ہو۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ہفتہ میں ایک مرتبہ وعظ فرمایا کرتے تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہفتہ میں دو بار فرمایا کیجیے۔ فرمایا کہ کان رسول اللہ یتخولنا بالموعظة یعنی جناب رسول اللہ ﷺ گاہ گاہ وعظ سے ہماری خیر گیری فرمایا کرتے تھے اور اس لیے ایسا فرماتے تھے کہ لوگوں کو طلال عارض نہ ہو، پس اسی کے موافق قرآن بھی اسی قدر پڑھنا مناسب ہے کہ جس سے لوگوں کو گراں نہ ہو اور بجاگیں نہیں۔ آج کل لوگ

(۱) کیونکہ وہ اس کا جزء ہے (۲) جس میں لوگ کوتاہی کر رہے ہیں (۳) ہر رکن کو اطمینان سے ادا کرنا (۴) جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں

دو طرح سے ظلم کرتے ہیں بعض تو یہ کرتے ہیں کہ تین تین چار چار پارے پڑھتے ہیں اور بعض پڑھتے تو ہیں سوا ہی پارہ مگر بہت آہستہ پڑھتے ہیں۔ رمضان میں ان حفاظ کی عملداری ہوتی ہے جس طرح چاہتے ہیں بچارے مقتدیوں کو دق^(۱) کرتے ہیں، توسط کی رعایت ہر حال میں ہونا چاہیے نہ تو اتنی تطویل^(۲) ہو کہ گرائی ہو اور نہ اس قدر قلیل ہو کہ حقوق نماز اور قرآن کے فوت ہوں۔

اہل کتاب سب برابر نہیں

ہر حال مقصود میرا یہ ہے کہ اس ماہ میں دو عبادتیں مشروع کی گئی ہیں ان آیتوں میں دونوں کا ذکر ہے۔ اوپر سے اہل کتاب کا ذکر ہے اور اس کے اوپر سے امت محمدیہ ﷺ کی خیریت کا ذکر ہے۔ اس کے بعد اس تقریب^(۳) سے اہل کتاب کی نسبت ارشاد ہے ولو آمن اهل الكتاب لكان خيرا لهم^(۴) یعنی اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا آگے ان پر عتاب اور غضب کا مضمون ہے لی یضروکم الا اذی سے یعتدون^(۵) تک برابر ہی مضمون چلا گیا لیکن بعض اہل کتاب ایمان بھی لے آئے تھے اس لیے لیسو سواء^(۶) سے ان کا ذکر ہے کیا عجیب کلام ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ ایسا کلام بشر کا ہرگز نہیں ہو سکتا، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم کو جب کسی فریق پر غصہ آوے گا اور غصہ کا ہم اظہار کریں گے کہ تم ہم کو اس طرح ستاتے ہو اور تم لوگوں نے یہ کیا وہ کیا تو ان میں جو مطیعین^(۸) ہیں وہ بالکل

(۱) پریشان کرتے ہیں (۲) نہ تو اتنی لمبی نماز پڑھے کہ گرائی ہو (۳) امت محمدیہ کے ساتھ ہی اہل کتاب کا ذکر کرنے کی وجہ سے اہل کتاب کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا (۴) آل عمران: آیت ۱۱۰ (۵) آل عمران آیت ۱۱۱ سے ختم آیت: ۱۱۲ تک (۶) آل عمران آیت: ۱۱۳ (۷) انسان کا (۸) فرمانبردار ہیں

نظر انداز ہو جائیں گے اور ایک ہی جانب کلام کا رخ ہو کر انتہائی طاقت اس میں صرف کر دیں گے بلکہ اگر کوئی شخص ان مطیعین میں سے بھی اس وقت آ جاوے اور اگر سلام کرے یا کوئی بات کرے تو اس پر بھی برسنے لگیں گے کہ تم کو سلام بھی اسی وقت سوجھا تھا، تو اس کی وجہ کیا ہے کہ ہم ممکن اور حادث اور متاثر ہیں^(۱) ہمارے اندر انفعالات رکھے گئے جب ایک اثر سے طبیعت منفعل ہوتی ہے تو بعینہ اس وقت دوسری طرف ہماری توجہ منحرف نہیں ہو سکتی حق تعالیٰ انفعال اور تاثر سے پاک ہیں ابھی غضب^(۲) کا اظہار ہو رہا ہے کہ ضریت علیہم الذلۃ والمسکنة وباؤا بغضب من اللہ اور اسی وقت دوسرا پہلو بھی نظر انداز نہیں ہوا بلکہ ساتھ ساتھ وہ بھی چل رہا ہے یا تو حقیقی ہو رہی تھی اور یا اب ان میں سے مومنین کے اوصاف ارشاد ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے لیسوا سواء الخ یعنی یہ اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں سب کو ایک لکڑی نہ بانگنا، ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے حق پر قائم و ثابت ہیں یہ تو عقائد کی طرف اشارہ ہے آگے یتلون آیات اللہ یہ اعمال کی طرف اشارہ ہے یعنی پڑھتے ہیں وہ اللہ کی آیتوں کو سات، شب^(۳) میں اور وہ نماز پڑھتے ہیں۔ اس ترجمہ سے معلوم ہوا ہو گا کہ ان آیتوں میں دونوں چیزوں کا ذکر ہے تلووت قرآن کا اور نماز کا بھی لیکن مفصلاً^(۴) ذکر نہیں بلکہ اجتماعی طور سے ذکر ہے یعنی نماز میں قرآن پڑھنے کا ذکر ہے۔

(۱) ہماری ذات ایسی ہے کہ جو ختم ہونے والی ہے اور جو متاثر ہوتی ہے ایک فعل سے جب ہماری طبیعت متاثر ہوتی ہے تو اسی کو دوسری طرف توجہ نہیں ہو سکتی (۲) غصہ (۳) رات کی گھڑیوں میں (۴) تفصیلی ذکر نہیں

آیت کی دو تفسیریں

اس لیے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ وہم یسجدون میں واو عاطفہ ہو اس وقت تو اقتران پر یہ آیت نفس نہ ہوگی گو محتمل ہو اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ واو حالیہ ہو اور ذوقاً ارجح یہی^(۱) معلوم ہوتا ہے اس صورت میں اقتران اس کا مدلول ہوگا یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی آیتیں ساعات لیل میں تلاوت کرتے ہیں اس حالت میں کہ سجدہ کرتے ہیں اس تفسیر کے موافق اس آیت کا مضمون تراویح کے نہایت مناسب ہو گیا۔ بہر حال اس آیت سے اس عمل کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور نیز دوسری وجہ فضیلت کی یہ ہے کہ شروع رکوع کنتم خیر امۃ میں اس امت کی خیریت کا ذکر ہے پس آگے ان اعمال کا ذکر ہوگا جن کو خیریت میں دخل ہوگا اور یہاں خیریت کے معنی وہ نہ سمجھنا کہ بولا کرتے ہیں کہ تمہارے یہاں خیریت ہے بلکہ خیریت کے معنی ہیں بہت اچھا ہونا۔ خیر صیغہ افعیل التفصیل کا ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ اگر تم یہ اعمال کرو گے تو بہت اچھے ہو جاؤ گے حق تعالیٰ جن کو بہت اچھا کہے ان سے بڑھ کر کون ہوگا۔ بہت اچھا کے لفظ پر ایک بات یاد آگئی کہ وہ اس احقر^(۲) پر ایک نعمت ہے میں اس کو تفاخر^(۳) نہیں سمجھتا بلکہ تحدّث بالنعمة^(۴) کے طور پر عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک دوست نے خواب میں دیکھا جناب رسول اللہ ﷺ کو اور یہ بھی دیکھا کہ حضور ﷺ اس شخص سے کچھ پوچھ رہے ہیں اثناء کلام^(۵) میں اس دوست نے یہ کہا کہ میں فلاں شخص (حضرت مولانا صاحب)^(۶) سے بیعت

(۱) حضرت کا ذوق یہ کہتا ہے کہ یہی تفسیر راجح قوی ہے (۲) مراد مولانا اشرف علی تھانوی ہیں (۳) خیر بیان نہیں کرتا (۴) بلکہ ایک نعمت کے طور پر بیان کرتا ہوں (۵) دوران گفتگو (۶) مولانا اشرف علی تھانوی

وں حضور ﷺ نے سن کر فرمایا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے اپنا بہت اچھا ہونا تو
مجھ میں نہیں آیا کہ اپنے ظاہر پر ہے یا مول^(۱) ہے اس لیے کہ اپنے اعمال
مندے پیش نظر ہیں۔ شہوت۔ غضب۔ ریا بہت سی بلائیں ہیں ان کے ہوتے
وئے بہت اچھا کس طرح ہو جاؤں گا^(۲) ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایمان ہے
اور اہل اللہ سے محبت ہے۔ لیکن میں تو اس بات سے خوش ہوا کہ حضور ﷺ کے
ہاں تذکرہ تو آیا۔ اگرچہ اس خواب کا یہاں موقع بیان کا نہ تھا اس لیے کہ یہاں جن
وگوں کو بہت اچھا کہا گیا وہ بیدار تھے اور یہ خواب بے کماں خواب کہاں بیداری
ور اول تو بیداری ہی میں ہو تو بھی قابل ناز نہیں پھر خواب کا معاملہ ہی جدا ہے پھر
دوسرے یہ ہے کہ یہ اپنے مطلب کی بات ہے اس میں احتمال ہے خیال کے مل
ہانے کا یعنی زیارت حضور ﷺ میں نہیں^(۳) بلکہ کلام کے سمجھنے یا یاد رکھنے میں،
مجھ کو اس پر ایک حکایت یاد آئی۔

سلطان نظام الدین کے سماع کا قصہ

وہ یہ ہے کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ صاحب سماع تھے
یعنی گانا سنتے تھے مگر ایسا نہیں جیسے آج کل لوگ سنتے ہیں بلکہ شرائط کے ساتھ سنتے
تھے کہ ان شرائط کے ساتھ آج کل کوئی بھی نہیں سنتا اور نہ ان کا بروقت کا
شغل^(۴) تھا پھر خود سننے والے صاحب نسبت تھے باوجود اس احتیاط کے بھی جو

(۱) ظاہری معنی پر ممول ہے یا اس میں تاویل کھانے کی (۲) یہ حضرت کی انسانی انکساری ہے کہ عیوب
کو ذکر کرے میں خوابوں پر نظر نہیں (۳) اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے جس نے خواب
میں حضور ﷺ کی زیارت کی اس نے یقیناً آپ ﷺ ہی کو دیکھا شیطان آپ کی شکل میں خواب میں بھی
نہیں آسکتا (۴) مشغلہ

اس وقت علماء تھے وہ منع کرتے تھے چنانچہ قاضی ضیاء الدین صاحب سنائی نے روکا اور فرمایا کہ بدعت ہے اور سنت کے خلاف ہے حضرت سلطان جی خود بھی عالم تھے درسیات پڑھی تھی چنانچہ ایک بار مقامات حریری^(۱) حضرت نے حفظ یاد کی تھی اور پھر اس کے کفارہ کے لیے مشارق الانوار^(۲) حفظ فرمائی تھی لیکن قاضی صاحب سے مناظرہ^(۳) نہیں کیا اور سکوت^(۴) فرمایا اور جب سلطان جی سنتے تھے اسی وقت قاضی روکتے تھے ایک مرتبہ سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کہلوادوں اس وقت تو مانو گے جی^(۵) میں تو یہی تھا کہ دلائل سے میں حق پر ہوں نہ مانوں گا لیکن یہ سمجھ کر حضور ﷺ کی زیارت تو ہوگی۔ کہا کہ اچھا حضرت سلطان جی متوجہ ہوئے اور قاضی صاحب پر ایک غنودگی سی طاری ہوئی دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ شریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ فقیر^(۶) کو کیوں تنگ کرتے ہو قاضی صاحب وہاں بھی نہ چوکے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر ہے لیکن وہ جو آپ کے بیداری کے احکام ہیں^(۷) مجھے اس حالت کے حکم سے زیادہ وثوق^(۸) ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میری کیا حالت ہے جب اس حالت سے افادہ ہوا تو سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا ہم نے کھلا بھی دیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ہم نے جواب بھی دیدیا قاضی صاحب نے حقیقت میں بہت عجیب بات کہی مویہ کہ جو نیند سے کم ہے اس کے احکام کا محققین نے اعتبار نہیں کیا ایسے ہی کشف کا بھی اگر خلاف شریعت ہو اس کا بھی اعتبار نہیں اور خواب کا بدرجہ اولیٰ اعتبار نہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ مصر میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور ﷺ

(۱) کتاب کا نام ہے (۲) کتاب کا نام ہے (۳) مٹ نہیں کی (۴) خاموشی اختیار فرمائی (۵) دل میں (۶) مراد سلطان نظام الدین ہیں (۷) یعنی احادیث مہار کہ جن میں سنا کہ کو منع فرمایا ہے (۸) زیادہ اعتماد ہے

فرما رہے ہیں اشرب الخمر^(۱) اس وقت سب علماء نے کہا کہ اس شخص کے سینے میں غلطی ہوئی حضور ﷺ نے یقیناً لا تشرب الخمر^(۲) فرمایا ہے۔ تو صاحبو یہ خواب کوئی قابل فر نہیں ہے۔ لیکن ہاں اس بات کی خوشی ہے کہ حضور ﷺ نے ذکر تو فرمایا۔ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا امت محمدیہ کو خیر امت فرمانا بڑی فضیلت ہے

بہر حال حق تعالیٰ کا امت محمدیہ ﷺ کو بہت اچھا فرمانا بہت بڑی فضیلت ہے۔ یہ تو سابق^(۳) آیت سے فضیلت فرمائی اور آخر میں فرماتے ہیں۔ اولئک من الصالحین یہ سابق^(۴) سے فضیلت ثابت ہوئی یعنی یہ لوگ صالحین میں سے ہیں صلح عربیت میں ایسے موقع میں بولتے ہیں جہاں ہماری زبان میں لفظ لائق بولا جاتا ہے، خدا تعالیٰ جس کو لائق فرمادیں اس کی فضیلت کا کیا ٹھکانا ہے۔ پس حاصل مقام کا یہ ہوا کہ جو ان کاموں یعنی نماز میں قرآن پڑھتے ہیں وہ بہت اچھے اور بڑے لائق ہیں اللہ اکبر جن کو خدا تعالیٰ بہت اچھے اور لائق فرمادیں ان کو کیا نہ ملے گا۔ اور جو ان کو ملے گا اس کو بھی حضور ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر یعنی میں نے بندوں صالحین کے لیے وہ شے طیار کی ہے کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی کے دل پر ان کا گذر ہوا۔ آپ بہت سے بہت وہ نعمتیں چاہیں گے جو کچھ آپ کے دل میں آویں گی اور جن اشیاء کا وعدہ ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں کہ

(۱) شراب پی (۲) شراب مت پی (۳) آیت کی ابتداء (۴) آیت کے بعد

تہارے ذہن میں آتی ہیں اس سے زیادہ آپ کیا چاہیں گے اور ثمرات تو ان لوگوں کے لیے ہیں جو طالب ثمرات^(۱) ہیں ورنہ جو مجہین ہیں ان کے لیے تو محبوب کا اتنا فرما دنا کہ بہت اچھے آدمی ہیں تمام ثمرات سے بڑھ کر ہے، اہل قلب سے اس کنتم خیر ادا فرمانے کی قدر پوچھو کہ وہ اس سے کیا مرزا لیتے ہیں۔

ایک صاحب حال کہتے ہیں کہ اگر یکبار گوید بندہ من از عرش بگذر و خندہ من خوب کہا ہے کسی نے۔

فی الجملہ نسبت ہو کافی ہو دمر ا بلبل ہمیں کہ کافیہ گل شود بس
(مردست ہمیں یہی کافی ہے کہ تجھ سے نسبت ہے یعنی بلبل کے لیے بھی کافی ہے کہ وہ پھول کے ساتھ کافیہ شعر میں تو ہے۔)

نسبت خود بنگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بنگ کوئے توشہ بے ادبی

(میں نے اپنی نسبت تیرے کتے سے کی اور میں اس پر بہت شرمندہ ہوں کیونکہ تیرے کتے کے ساتھ بھی نسبت کرنا سخت ہے ادبی ہے کیونکہ تیرا کتا بھی میرے مقابلے میں بہت عظیم ہے)

جو اپنے کو اس لائق بھی نہ سمجھتے ہوں کہ اس کے کوچہ^(۲) کے کتے کی طرف اپنے کو منسوب کر لیا تو کیا ٹھکانا رہے گا ان کی مسرت کا لیکن ہم لوگ جو اس کی قدر نہیں کرتے تو ہات کیا ہے کہ ہم کو دین مفت مل گیا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

اے گراں جاں خوار دید ستی مرا زانکہ بس ارزاں خرید ستی مرا

(اے سخت جاں تو نے مجھ کو ذلیل دیکھا صرف اس وجہ سے کہ میں بہت سستا خریدا گیا ہوں)

(۱) جو بدلے کے طالب ہیں (۲) گلی کا کونڈ

ہر کہ ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرص ناوہد
 اور جو کوئی سستا خریدتا ہے وہ سستا بیچ بھی دیتا ہے جیسے کہ ایک بچہ موتی کو روٹی کی
 ایک نگلیا کے بدلے میں دیدیتا ہے)
 بچہ کیا جانے موتی کیا ہوتا ہے ایک بسکٹ دے کر اس سے موتی لے سکتے
 ہیں پس ایسے ہی دین ہم لوگوں کو مفت مل گیا ہے، مفت کی چیز کی کون قدر کرتا
 ہے نہ شکر ہے نہ نیاز ہے نہ عاجزی ہے۔ اللہ اکبر کس قدر سنگدل اور نا قدر دانی
 ہے۔

طریقہ کے مطابق کام کرنے سے مستحق اجر ہو گا

غرض وہ اعمال جن پر یہ بشارتیں ہیں ان میں سے دو عمل یہ ہیں یتلون
 آیات اللہ انا اللیل وہم یسجدون^(۱) یہ عمل مدار خیریت و
 صلاحیت ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اچھے اسی وقت ہوں گے جبکہ کام کو اچھی
 طرح دھنگ سے کرو گے اور اگر بری طرح کیا تو اچھا ہونا تو علیحدہ رہا خوف مواخذہ^(۲)
 کا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے چند مزدور کام کرنے والے ہیں۔ مثلاً سرکل کو
 کوٹنے والے ہیں ان سے کہا کہ تم اس سرکل کو کوٹو تم کو انعام ملے گا۔ بعض
 نے تو ان میں سے ایسی خراب کوٹی کہ جگہ جگہ گڑھے اور ٹیلے رہ گئے برابر نہیں
 ہوئی۔ اب اس صورت میں نام تو کوٹنے کا ہوا مگر کام تو نہ ہوا اور نام سے کچھ کام
 نہیں چلتا۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

میم و اوسیم و نون تشریف نیست لفظ مومن جز پے تعریف نیست

(۱) آل عمران آیت: ۱۱۳ اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں (۲) گرفت
 ہونے کا ڈر ہے

(م)۔ واؤم ان سے مومن نہیں بن جاتا بلکہ مومن کی تعریف اس کے اپنے افعال سے مطابق ہوا یعنی لفظ مومن کوئی خلعت^(۱) نہیں یہ تو محض^(۲) پتے کے واسطے ہے اور وصف عنوانی ہے ان لفظوں میں کچھ نہیں ہے جب تک کہ اس کا مدلول^(۳) تم کو حاصل نہ ہو۔ دیکھو لڈو پیڑے کا اگر کوئی وظیفہ پڑھا کرے تو اس سے منہ میں کچھ نہ آئے گا۔

ایک احمق کی حکایت

ایک احمق کی حکایت یاد آئی۔ ایک شخص نے مرنے کے وقت بیٹے کو چند وصیتیں کیں کہ بیٹا میں مرتا ہوں میرے بعد لوگ تعزیت کے لیے آئیں گے جو کوئی آوے اس کی خوب مدارات^(۴) کرنا اونچی جگہ اس کو بٹلانا۔ بیماری پوشاک^(۵) پہن کر اس سے ملنا اور شیریں گفتگو کرنا^(۶) اور قیمتی کھانا کھلانا۔ یہ چار وصیتیں کیں۔ ایا جان تو یہ کچھ کر مر گئے۔ بیٹے ضرورت سے زیادہ عقل مند تھے۔ چنانچہ ایک شخص کی محبت آئی وہ ان کے پاس تعزیت کو آٹھلا نوکروں کو فوراً حکم دیا کہ ان کو بھان^(۷) پر بٹلا دو۔ چنانچہ نوکروں نے ان کو اس طریقہ پر کہ پادست دگرے دست بدست دگرے^(۸) چاروں طرف سے پکڑا وہ بھارے بائیں بائیں کرتے رہے مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور فوراً ان کو ایک بلند بھان پر بٹلا دیا اور زندہ^(۹) وہاں سے علیحدہ کر دیا۔ اب وہ بھارا بند رسا وہاں چڑھا ہوا ہے اور حیران ہے کہ یہ کیا معاملہ

(۱) لباس (۲) صرف ایک علامت ہے (۳) جن معنی پر مومن کا لفظ دلالت کرتا ہے وہ صفات جب تک تمہارے اندر نہ ہوں صرف مومن کہنے سے کام نہیں بنتا (۴) آویگت (۵) عمدہ لباس (۶) اچھی گفتگو کرنا (۷) گھروں میں کمرے کی ایک جانب سامان وغیرہ رکھنے کے لیے تختے ٹھوک کر اونچی جگہ بنائی جاتی تھی اس کو بھان کہتے ہیں (۸) کراپوں دوسرے کے ہاتھ میں اور ہاتھ بھی دوسرے کے ہاتھ میں یعنی پڑ کر زبردستی بھان پر بٹھا دیا (۹) سیر زمی

ہے۔ اس کے بعد میاں صاحب ملنے کے لیے تشریف لائے تو اس بئیت^(۱) سے کہ ایک بہت بڑی جاحم^(۲) تو باندھے اور ایک اور ڈھے ہوئے وہ مہمان بھارے حیران ہوئے کہ یہ کیا عجائب المخلوق^(۳) جانور ہے۔ خیر آئے مہمان صاحب نے کلمات تعزیت^(۴) فرمائے کہ آپ کے والد ماجد صاحب کی وفات کی خبر سن کر بہت رنج ہوا۔ تو آپ فرماتے ہیں گڑ۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ اور فرمایا تو فرماتے ہیں روئی۔ غرض ایک بات کے جواب میں وہ گڑ فرماتے تھے اور دوسری بات کے جواب میں روئی۔ خیر اس پر بھی صبر کیا اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو اتار لو۔ چنانچہ اتار لیے گئے۔ کھانا آیا۔ بوٹی گوشت کی ذرا سنت تھی۔ مہمان بولے کہ گوشت کھا نہیں کھنے لگے کہ واہ صاحب میں نے تو آپ کے لیے اپنا پچاس روپے کا کتا ذبح کر ڈالا آپ نے اس کی یہ قدر کی مہمان نے فوراً ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ تیرے یہاں کسی کو نہ لاوے خیر یہ تو فرمائیے کہ یہ معاملہ کیا ہے کہا کہ میرے والد ماجد صاحب نے چند وصیتیں کی تھیں میں نے ان پر عمل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ مہمان کو اونچی جگہ بٹھانا تو میرے یہاں اس مکان سے زیادہ اونچی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور یہ فرمایا تھا کہ بیماری کپڑے پہن کر ملنا تو میں نے اس جاحم^(۵) سے زیادہ بیماری کپڑا کوئی نہ دیکھا اور یہ کہا تھا کہ نرم اور شیریں بات بولنا تو جناب گڑ سے زیادہ میٹھی اور روئی سے زیادہ نرم شے نہیں اور یہ وصیت فرمائی تھی کہ قیمتی کھانا کھلانا تو کتے سے زیادہ قیمتی جانور میرے یہاں کوئی نہ تھا۔ اس مہمان نے کہا کہ خدا تم کو سمجھے اور کسی بھلے کو تمہارے یہاں نہ لاوے تو حضرت یہ اس بیوقوف کا مشرب^(۶) تھا کہ اور روئی کے نام ہی کو بجائے

(۱) انداز (۲) ایک بڑی سے ہادر تو باندھ رکھی اور ایک اوڑھ رکھی (۳) عجیب قسم کا جانور ہے (۴) تعزیتی

گفتگو شروع کی (۵) پھانے کی بڑی ہادر (۶) مذہب

ان کے مسی کے سمجھتا تھا^(۱) اگر آپ بھی صرف نگری پر کفایت کرتے ہیں تو اس شخص پر نہ بنیے ہمارے اندر اس زمانہ میں ظاہر پرستی بہت آگئی ہے یہی وجہ ہے کہ حقائق تک نہیں پہنچتے۔

آپس میں اختلاف کی وجہ

یہ ایک حکایت مجھے اس پر یاد آئی اندھوں کے مجمع میں ہاتھی آگیا حساب نے اس کو ٹٹولا کہ دیکھیں ہاتھی کیسا ہوتا ہے کسی کا ہاتھ تو سونڈ پر پڑا اس نے تو یہ کہا کہ ہاتھی مثل موصل^(۲) کے ہوتا ہے، کسی کا ہاتھ کان پر پڑا اس نے کہا کہ ہاتھی مثل چھانچ^(۳) کے ہوتا ہے کسی کا دم پر پڑا اس نے کہا ہاتھی مثل جھاڑو کے ہوتا ہے۔ خوب آپس میں اختلاف ہوا اور حقیقت کی ایک کو بھی خبر نہ ہوئی اگر حقیقت تک پہنچ جاتے تو سکون ہو جاتا کوئی اختلاف نہ رہتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اختلاف خلق از نام افتاد چوں بمعنی رفت آرام افتاد

(لوگوں میں کسی چیز کے متعلق اختلافات محض نام کے اختلاف کی وجہ سے ہوتے ہیں اور جب ان پر ان کی حقیقت کھل جاتی ہے جو کہ ایک ہی ہے تو سب مطمئن ہو جاتے ہیں)

اختلاف جب ہی تک جب تک کہ الفاظ میں مبتلا ہے اور جب حقیقت تک پہنچ گئے تو سب اختلاف اٹھ جاتا ہے۔

(۱) یہ سب غلطی اس وجہ سے گئی کہ باپ کی برہات کو ظاہر پر محمول کیا اور اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا

(۲) ایک بڑا سا ڈنڈا ہوتا ہے جو کوٹھنے کے کام آتا ہے (۳) جس میں گنہ وغیرہ پھٹکتے ہیں

لفظی اختلاف کی حقیقت

مولانا نے اسی مضمون کی ایک حکایت مثنوی شریف میں لکھی ہے کہ چار آدمی جمع ہوئے۔ فارسی، عرب، رومی، ہندی یا ترکی کسی نے ان کو ایک درہم دیا ان کا جی چاہا کہ انگور خریدیں رومی نے کہ ہم تو اسٹافیل (ترکی میں بمعنی انگور ہے) خریدیں گے عربی نے کہا کہ عنب (انگور) لیں گے۔ فارسی نے کہا کہ ہم انگور لیں گے۔ چوتھے نے کچھ اور کہا (شاید اوزم لکھا ہے آپس میں خوب لڑائی ہوئی۔ اگر معنی تک رسائی^(۱) ہوتی تو کچھ بھی اختلاف نہ تھا۔ لفظوں میں پہنچنے سے حقیقت مستور^(۲) ہو جاتی ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمدردا عذر بند چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ ز دند
(اسلام کے بہتر فرقوں میں جو آپس میں جنگ ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حقیقت کی راہ نہیں دیکھی اس لیے یہ افسانوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں)

اہل اللہ کے کسی سے نہ لڑنے کی وجہ

یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ نہیں جھگڑتے اس لیے کہ وہ ایسے مشغول ہیں کہ ان جھگڑوں کی مہلت ہی نہیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو چو بگذشت بر عارف جنگجو

(نیک سیرت بہلول نے کیا اچھی بات کہی ہے کہ ایسا عارف جو دوست کو پہچانتا ہو وہ دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہیں ہوتا)

دیکھو بہت موٹی بات ہے اگر ہمارا کوئی محبوب ہو اور مد توں سے وہ نہ ملا اور

(۱) معنی تک پہنچ جانے (۲) حقیقت چھپ گئی

دفعہ^(۱) کہیں مل جائے تو ہم کو اس وقت لڑنے کی فرصت بالکل نہ ملے گی بلکہ اس وقت اگر کوئی اس کو برا بھلا بھی کہے گا حتیٰ کہ اگر مالی ضرر^(۲) بھی پہنچائیگا تو یہ بالکل نہ بولے گا اس لیے کہ وہ خیال کرے گا کہ جتنی دیر میں اس سے لڑوٹکا میرا حراج^(۳) ہوگا خدا جانے پھر محبوب ملے نہ ملے وہ اپنے دوست کے دیکھنے میں مو^(۴)ا رہے گا جبکہ محبوب مجازی تمام جگہوں اور لڑائیوں کو قطع کر دیتا ہے تو جس شخص کو محبوب حقیقی کا وصل دائم اور مشاہدہ ہر وقت رہتا^(۵) ہے اس کو کسی سے لڑنے کی کہاں فرصت اور اگر لڑنے بھڑنے میں وہ لگا ہوا ہے تو وہ عارف نہیں ہے مدعی ہے۔

ایں مدعیان در طلبش بے خبر اند آزا کہ خبر شد خبرش باز نیاید
(دعویداران اس کی راہ طلب میں غافل ہیں کیونکہ جو باخبر ہو جاتا ہے پھر اس کی خبر نہیں ہوتی)

بلکہ اگر کوئی اس سے محبوب کے سوا دوسرے کی بات بھی کرنا چاہے گا تو وہ اس کے جواب میں کہے گا۔ ع

ما یم تحیر و خموشی (ہم سرپا حیرت اور خموشی میں)

پس معنی شناس اور حق شناس کی تو یہ شان ہوتی ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر تم پر لفظ "یتلون آیات اللہ" اور "وہم یسجدون" صادق بھی آگئے تو اس سے کیا ہوتا ہے حقیقت تکلوت و سجدہ کی حاصل ہونے کی کوشش کرو اور اس کا طریق یہی ہے کہ حقوق ان دونوں عبادتوں کے ادا کرو۔

(۱) اہانک (۲) مالی نقصان (۳) نقصان (۴) مصروف (۵) جو شخص محبوب حقیقی (اللہ پاک) کو ہر وقت دیکھنے اور ملاقات میں مصروف ہو

ایک عملی اشکال اور اس کا جواب

قبل اس کے کہ میں ان کے حقوق بیان کروں ایک بات اور بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مقام پر ایک سوال اور اشکال متوجہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جن اعمال کی فضیلت بیان کی گئی ہے آیا یہ اعمال فرض ہیں یا نہیں اگر فرض نہیں ہیں تو فرض کا ذکر بہ نسبت نفل کے اہم ہے اور ذوق لسانی^(۱) اور قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد نفل ہے اس لیے کہ اسلوب کلام اور الفاظ سے متبادر یہ^(۲) ہوتا ہے کہ مقصود کثرت تلووت و نفل ہے تو کثرت تلووت و نفل دونوں فرض نہیں ہیں اور اگر کہا جاوے کہ مراد صلوٰۃ تعجد ہے تو صلوٰۃ تعجد بھی فرض نہیں ہے۔ غرض بہر صورت نفل ہے پھر فرائض کو چھوڑ کر نفل کی فضیلت کیوں بیان فرمائی اور اگر کہو کہ مراد فرض ہے تو میں عرض کر چکا ہوں کہ ذوق لسانی اور قرائن اس سے آبی ہیں^(۳)۔

اس اشکال کا جواب میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ مراد تو نفل ہی ہے باقی رہی یہ بات کہ فرائض کی اہمیت ان کے ذکر کو مقتضی^(۴) ہے یہ صحیح ہے لیکن ذکر کے انواع مختلف^(۵) ہیں صریح اور لازمی^(۶)۔ فرائض کی اہمیت اس نفل کی فضیلت بیان کرنے سے اور زیادہ بڑھ گئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب وہ لوگ نفلوں میں کوتاہی نہیں کرتے تو فرائض میں تو بطریق اولیٰ^(۷) کوتاہی نہ کریں گے۔ پس فرائض کا ذکر گو عبارتہ النص^(۸) سے نہیں ہے لیکن دلالتہ النص سے

(۱) طرز بیان اور قرآن (۲) کلام کے انداز اور الفاظ کے معنی سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مقصود زیادہ حقائق کرنا ہے (۳) زبان دانی اور قرآن اسکا انکار کرتے ہیں کہ اس سے مراد فرائض ہوں (۴) فرائض کی اہمیت ان کے بیان کرنا قصدا کرتی ہے (۵) ذکر کی مختلف قسمیں ہیں (۶) کموں کو اور لازمی طور پر بیان کرنا (۷) بدرجہ اولیٰ یعنی یقینی طور پر (۸) اگرچہ قرآن کے الفاظ میں فرائض کا ذکر نہیں ہے لیکن قرآن کے الفاظ فرائض کی اہمیت پر دلالت کر رہے ہیں

فرائض کی اہمیت زیادہ محفوظ ہو گئی ہے اور اس زمان کے لوگ ایسے نہ تھے جیسے آج کل بعض بین کے نوافل کا تو اہتمام کریں اور فرائض کی پروا نہ کریں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ میں اپنے پیر کا اس قدر اتباع کرتا ہوں کہ فرض نماز چاہے قضا ہو جائے مگر پیر کا بتلایا ہوا وظیفہ ناغہ نہیں ہوتا اگر ایسے ہی لوگ اس وقت بھی ہوتے تو واقعی فرض کی اہمیت پر اس آیت کی دلالت ظاہر نہ ہوتی۔

مدلول آیت

حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں مراد نفل ہے پس اس تفسیر کے موافق اس آیت میں قیام لیل یعنی تہجد کا ذکر ہوا اور ترویج کا لقب ہے قیام رمضان قیام لیل^(۱) تو بعوض محفوظ رہا۔ صرف اس میں ایک مضاف الیہ اور بڑھ گیا یعنی قیام لیلۃ رمضان پس جبکہ اس آیت کا مدلول قیام لیل ہے تو قیام لیلۃ رمضان بھی اس میں ضرور داخل ہوگا۔ پس اب دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اس آیت سے ترویج کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور وہ بھی مدار خیریت کا ہے پس ان کو ایسا پڑھیے کہ آپ کی خیریت و صلاحیت محفوظ رہے اور جو اس میں منکرات ہیں ان سے بچئیے۔

حقوق القرآن

اب مختصر سی فہرست حقوق کی بیان کرتا ہوں قرآن مجید کا ایک حق یہ ہے کہ جی لگا کر اس کو پڑھا جاوے کہ اس پر "خروا سجدا و بکیا"^(۲) کا اثر مرتب ہو جاوے اور دوسری جگہ ارشاد ہے "یخرون للمذاقات یبکون و

(۱) رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور تہجد ہے (۲) سورہ مریم آیت ۵۸: ترجمہ: سجدہ کرتے ہوئے اور رونے ہوئے گرجاتے تھے

یزیدہم خشوعاً" (۱۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقاء اور خشوع مخلوق قرآن کے وقت ہونا چاہیے۔

رونے کی فضیلت و حقیقت

یہاں پر طالب علموں کو ایک شبہ ہوگا وہ یہ ہے کہ رونا تو اختیاری نہیں ہے اور سالکین کو یہ شبہ ہوگا کہ جب یہ صفت ایمان والوں کی ہے اور ہم کو رونا آتا نہیں تو ہمارے اندر ایمان نہیں ہے۔ ایک دوست نے بھی مجھ کو لکھا تھا کہ جب سے میں حج کر کے آیا ہوں رونا نہیں آتا اور پچھلے رونا آیا کرتا تھا۔ میں نے ان کو جواب لکھا اور اسی سے اس شبہ مذکورہ کا بھی جواب ہو جاوے گا اور وہ جواب یہ لکھا کہ رونے سے مراد آنکھوں کا رونا نہیں اس لیے کہ وہ غیر اختیاری ہے۔ اور غیر اختیاری کی اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتے۔ "لا یكلف الله نفسا الا وسعها" (۲) بلکہ مراد دل کا رونا ہے۔ پس تم کو گو آنکھوں سے رونا نہیں آتا لیکن دل کا رونا تم کو حاصل ہے باقی اختیار سے رونے کی عورتیں مشاق ہیں کسی کے یہاں تعزیت کے لیے جائیں گی اور اپنے کسی مُردے۔ کو یاد کر کے بس رونا شروع کر دیں گی اور ان کا کوئی تازہ مہوا نہ ہوگا تو حکمت کریں گی کہ کپڑے سے منہ چھپالیں گی اور جھوٹ موٹ ہو ہو کرنے لگیں گی لیکن مردوں کا رونا اختیاری نہیں ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ رونا نہ آوے تو رونے کی شکل بنالو۔ یہاں بھی دل کا ہی رونا مقصود ہے اس لیے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے جب رونے کی کوئی شکل بنائے گا تو دل میں بھی رونا آجی جاوے گا پس حق

(۱) سورہ الاسراء آیت: ۷۰ اور تھورٹیوں کے بل کرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھادتا ہے (۲) اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجہ نہیں ڈالتے

تعالیٰ کے عذاب اور وعید کو دل میں حاضر کرو اور رونے کی شکل بناؤ تاکہ سنت ولی کم
 ہو۔ مولانا علیہ الرحمۃ اسی رونے کی فضیلت میں فرماتے ہیں۔
 اسے خوشا چشے کہ آن گریان اوست
 اسے خوشا آں دل کہ آن بریان اوست
 (وہ آنکھ اچھی ہے جو اس کے لیے روتی ہے اور وہ دل اچھا ہے جو اس کے لیے جلتا
 ہے)

در تضرع باش تا شادان شوی گر بہ کن تا بے دہاں خنداں شوی
 (اگر تو خوش رہنا چاہتا ہے تو رویا کر، تاکہ تیرا دل بغیر دہن کے ہنسنا رہے)
 در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست مرد آخر میں مبارک بندہ ایست
 (ہر رونے کے بعد خوشی کا مقام آتا ہے جو آدمی سب سے بعد میں آتا ہے وہ
 مبارک بندہ ہوتا ہے)
 اور اگر رونا نہ آوے تو اس پر رونا چاہیے کہ رونا نہیں آتا ایک بزرگ بہت
 رویا کرتے تھے۔ کسی نے کہا حضرت اتنا نہ رویے آنکھیں جاتی رہیں گی انہوں نے
 کیا خوب جواب دیا ہے۔

زابد سے راگفت یار سے در عمل کم گرمی تا چشم راناہ خلل
 (ایک دوست نے زابد سے کہا کہ اپنے اعمال کے واسطے کم رو، تاکہ تیری آنکھیں
 خراب نہ ہو جائیں)

گفت زابد از دو بیروں نیست حال چشم بیند یا نہ بیند آن جمال
 (زابد نے کہا کہ ان دو باتوں کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہوگی خواہ میری آنکھ اس
 جمال کو دیکھے یا نہ دیکھے)

گر بہ بیند نور حق را چہ غم ست در وصال حق دو دیدہ کے کم ست

(اگر آنکھ ٹھیک ہے اور نور حق کو دیکھتی ہے تو کوئی غم نہیں اور اگر آنکھ خراب ہو گئی اور حق مل گیا تو بھی کیا کروں)

ورنہ بیند نور حق را گو برو این چنین چشم شقی گو کور شو
(اور اگر نور حق کو نہیں دیکھتی ہے تو اس سے کہہ دو کہ جا چلی جا۔ اس شقی آنکھ سے کہہ دو کہ اندھی ہو جائے)

اگر کوئی کہے کہ وصل میں رونا کیسا اس کا جواب عارف شیرازی نے دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت
واندراں برگ و نوا خوش نالہا نے زار داشت
(ایک بلبل اپنی چوہچ میں ایک خوبصورت پھول کی پتی لیے ہوئے تھی اور زار و قطار رو رہی تھی)

گفتش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست
گفت مارا جلوہ معشوق در این کار داشت
(میں نے پوچھا کہ عین وصل میں یہ نالہ و فریاد کیا ہے اس نے جواب دیا کہ ہمیں جلوہ معشوق نے اس کام میں ڈال رکھا ہے)

تجلی محبوب کا مقتضی ہی یہ ہے کہ سوختہ و گداختہ رہے حق تعالیٰ کے یہاں اس رونے کی بہت بڑی قدر ہے جو قطرہ آنکھ سے نکلا دوزخ کی آگ اور وہ قطرہ جمع نہ ہو گا اور نار جہنم کو بجھانے کے لیے کافی ہو جائے گا اور دوزخ کھمے گی۔ جزیرا مومن فان نورک اطفاء ناری یعنی اے مومن جلد ہی چل اس لیے کہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا اور یہ آنسو عام ہے خواہ آنکھ سے ہو یا دل سے ہو چنانچہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مجلس وعظ میں کچھ

لوگ اپنے کپڑے پہاڑنے لگے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان سے کہندو کہ دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرو کپڑوں کے پہاڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی نظر تو قلوب^(۱) پر ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جب زیادہ اثر ہوتا ہے تو وہ سب گھٹ کر قلب^(۲) ہی پر جمع ہو جاتا ہے اور آنکھ سے ایک قطرہ بھی نہیں نکلتا۔ پس جبکہ دل پر اثر ہو تو آنسو نہ نکلتا مضر نہیں۔

بزرگوں کی مختلف شاخیں

حضرت جنید[ؒ] بیٹھے ہوئے تھے ایک صوفی پر حالت طاری ہوئی، حضرت جنید[ؒ] سے لوگوں نے کہا کہ آپ پر کبھی اثر نہیں ہوتا حضرت جنید[ؒ] نے فرمایا وتیری الجبال تحسبها جامدة وہی تمر مرالسحاب^(۳) یعنی دیکھتے گا تو اے مخاطب پہاڑوں کو کہ گمان کرے گا ان کو ٹھیرے ہوئے حالانکہ وہ ابر کی طرح چلتے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ غایت اثر^(۴) سے ہمارا یہ حال ہے کہ ہم کو تم ٹھیرا ہوا جانتے ہو حالانکہ ہم بے حد اثر لیے ہوئے ہیں۔

ہمارے مشائخ میں سے حضرت شیخ عبدالحق رودلوئی فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ یاد آمد۔ اینجا مردانند کہ دریا فرو برند آروغ نہ نند۔ (منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ میں چیخ پڑا یہاں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اپنے اندر دریا اندیل لیتے ہیں اور دھکار نہیں لیتے)

بات یہ ہے کہ بزرگوں کی شاخیں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک اور بزرگ رونے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یارب کہ چشمہ است محبت کہ من ازاں یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

(۱) دلوں پر ہے (۲) دل (۳) سورہ غل آیت ۸۸ (۴) بہت زیادہ متاثر ہونے سے

(اسے خدا یہ محبت کون سا چشمہ ہے کہ جس سے میں نے ایک قطرہ پیا ہے اور دریا رو کر بہا دیے ہیں)

اسی اختلاف اور رنگارنگی شان و حال کی نسبت یہ شعر ہے۔

بگوش گل چہ سخن گفت کہ خندان ست بعذ لیب چہ فرمودہ کہ نالان ست
(پھول سے تو نے کیا کچھ دیا ہے کہ بنس رہا ہے اور بلبل سے کیا فرما دیا ہے کہ رو رہی ہے)

غرض قرآن شریف پڑھنے کے وقت حق تعالیٰ کے خوف یا شوق سے آنکھ سے یا دل سے رونا بڑی نعمت اور علامت اہل ایمان کی ہے لیکن یہ جب ہی حاصل ہوتا ہے کہ قرآن کو بندہ بر "پڑھا جاوے۔ اور اگر ڈاک گاڑی بلکہ اسپیشل کی طرح پڑھا اور راستہ کے باغ و بہار کی وہ کیا سیر کرے گا ایک حق تو قرآن کا یہ تھا۔

قرآن پاک کو ترتیل سے پڑھے

دوسرا حق وہ ہے جس کی نسبت ارشاد ہے ورتل القرآن ترتیلاً^(۱) یعنی قرآن کو ٹھہرا کر پڑھنا دیکھو آپ اگر کسی حاکم سے ہمکلام ہوں^(۲) یا وہ حاکم تم سے باتیں کرے تو اول الفاظ دل میں سوچ لو گے پھر بہت ادب سے ان کو باہمی زبانی سے ادا کرو گے بخلاف اس کے کہ تم اپنے دوستوں سے یا نوکروں سے ہم کلام ہو ان کے ساتھ بے تکلف جلدی جلدی بولتے ہو۔ تو قرآن پڑھنا درحقیقت حق تعالیٰ سے باتیں کرنا ہے اور یا یوں کہو کہ حق تعالیٰ تمہاری زبان سے باتیں کرتے ہیں غرض جو کچھ بھی ہو دونوں امر ایسے ہیں کہ مقتضی میں حمایت ادب کو کسی شاعر کے کہا ہے۔

(۱) غور سے پڑھا جائے (۲) سورہ مزمل آیت ۴۱ (۳) کسی حاکم سے باتیں کریں

بخت اگر مدد کند دانش آورم بکف
گر بکشد زبے طرب و رکشم رہے شرف

(اگر میرا نصیب مدد کر اس کا دامن میرے ہاتھ میں آجائے تو وہ کھینچ لے تو خوشی کی بات ہے اور اگر میں کھینچتا ہوں تو بھی باعث شرف ہے)

اگر تم باتیں کرتے ہو تو ظاہر ہے کہ ادنیٰ حاکم سے ساتھ جب وقار سے بولتے ہو تو احکم المالحمین^(۱) اور حاکم حقیقی سے تو نہایت ادب اور وقار سے باتیں کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ تمہاری زبان سے باتیں کرتے ہیں تب تو اور بھی طمانیت^(۲) سے پڑھنا چاہیے۔

تلاوت قرآن کے وقت کیا تصور کرے

اور شاید یہ بات تمہاری سمجھ میں اچھی طرح نہ آئی ہو اس لیے میں اس کی بقدر ضرورت شرح کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آدمی کے تمام افعال کے خالق اللہ تعالیٰ^(۳) ہیں، پس کلام اور چلنا پھرنا جو کچھ یہ کرتا ہے خالق ان افعال کے اللہ تعالیٰ ہیں اور کاسب بندہ^(۴) ہے اتنا تو ظاہر ہے مگر اس میں جب غایت غلبہ فنا سے عبد کی طرف نسبت مستغفر نہ رہے اس وقت استحضار نسبت مع اللہ سے گویا وہ فعل حکما حق تعالیٰ کا ہوگا^(۵) پس جس وقت یہ قرآن پڑھے گا تو گویا اللہ تعالیٰ کلام

(۱) سب حاکموں کے حاکم (۲) اطمینان سے (۳) انسان کے تمام افعال کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں (۴) ان افعال کو کرنے والا بندہ ہے (۵) انسان جو بھی کام پڑھنا لکھنا وغیرہ کرتا ہے اس کی دو چیزیں ہیں ایک اس فعل کا پیدا ہونا دوسرے اختیار کرنا، پیدا کرنا فعل اللہ کا ہے اختیار کرنا فعل بندے کا ہے جب انسان بدلتا نسبت کا غلبہ ہو تو اپنے فعل کو لاشعری محض سمجھتا ہے اور اس کی اپنے فعل سے نظر ہٹ کر صرف اللہ کے فعل خلق کی طرف ہوجاتی ہے اور یوں خیال کرتا ہے کہ میرے من سے جو آواز نکل رہی ہے یہ بھی اللہ کا فعل ہے چاہے تو بندہ کروے گویا یہ میری آواز نہیں بلکہ اللہ کی آواز ہے اور میرے من کو وہی نسبت ہے جو ایک ہاجہ کو بھانسنے والے سے ہے جب چاہے وہ اس آواز کو بندہ کروے گویا اس فعل کی جو نسبت خلق اللہ کی طرف تھی اس کو دین میں حاضر کیا اور اپنی طرف نسبت کسب کی تھی کی تو گویا یہ فعل حکما اللہ تعالیٰ ہی کا کھلایا۔ جس کی مزید شرح حضرت خود فرما رہے ہیں (ختم)

فرما رہے ہیں اور اس کا تصور اس کی زبان سے ہو رہا ہے جیسے شہرہ "موسیٰ" سے کلام اللہ کا تصور ہوا تھا پس اس کی زبان بمنزلہ ایک ہاجہ کے جوئی پس ہاجہ بجانے والے کہ ذمہ ہے کہ وہ گت "۱۲" ایسی لکھ دے کہ سچ مچ گانے والا ہے اس کی آواز کے ساتھ ملا دے پس قرآن شریف ایسا پڑھو کہ جو گویا حق تعالیٰ کے کلام کے موافق "۱۳" اور اس لیے ان کی خوشنودی کا سبب ہو۔ میں نے کئی دوستوں کو یہ تصور بتلایا ہے اور یہ الہامی ہے کہ جب کلام اللہ پڑھے تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ پڑھ رہے ہیں اور میرے بدن سے مثل ہاجہ کے آواز نکل رہی ہے۔ اپنی آواز کی طرف توجہ اس حیثیت سے کرے کہ یہ مظہر ہے کلام قدیم باری تعالیٰ "۱۴" کا اور جس قدر ہو سکے اس تصور کو بڑھائے۔ پھر دیکھیے قرآن شریف میں کیا لطف آتا ہے۔ چنانچہ جس جس نے اس پر عمل کیا بہت کامیابی ہوئی۔ حاصل یہ ہے کہ ترتیل سے قرآن پڑھو۔

قرآن کا سیکھنا فرض ہے

بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ قرآن کو صحیح کر سکتے ہیں لیکن نہیں کرتے۔ بریل میں ایک طالب علم تھے وہ من المنة والناس کو من الجنات والفس پڑھا کرتے تھے۔ غضب کی بات ہے کہ زواہد ثلثہ اور صدر او شمس بازغہ "۱۵" کا تو ایک حرف بھی نہ چھوٹے اور قرآن کی ایک سطر بھی درست کر کے نہ پڑھیں۔ اور عذر یہ کرتے ہیں کہ ہم کو اب کیا آوے گا بڑے طوطے بھی کہیں پڑھتے ہیں۔ صاحبو تمہاری

(۱) کوہ طور پر وہ درخت جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا (۲) لے ایسی لگاتے (۳) اللہ کی باتیں کرنے کے موافق ہو (۴) اللہ تعالیٰ کے اس اعلیٰ کلام کے ظاہر ہونے کا ذریعہ ہے (۵) منطق و فلسفہ کی کتابوں کے نام ہیں

رانے کا اعتبار نہیں۔ قرآن کا سیکھنا فرض ہے اس کا آجانا فرض نہیں تم کو شش تو کرو جب واقف کار قاری یہ کہیں کہ تم کو نہ آوے گا تو تم فرض ادا کر چکے ہو اس کے بعد چھوڑ دو۔

چونکہ برمنت بہ بندہ بستہ باش چوں کشاید چاکب و برستہ باش
(جب تجھے میخ پر باندھ دیں تو بندہ حارہ اور جب کھول دیں تو کود کے بھاگ جا)
یعنی جب تم کو کسی گھونٹے سے وہ باندھیں تو بندھے رہو اور جب کھولیں تو جالاک رہو اور کودو لیکن سیکھنے سے پہلے تو ہر ایک کو چاہیے کہ وہ سیکھے اور کوشش کرے جب ایک دو ہفتہ کے بعد استاد فتویٰ دیدے کہ تم کو نہ آوے گا پھر نہ سیکھنا۔ اس وقت نہ سیکھنے سے تم کو گناہ نہ ہوگا اور صاحبو میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ سب جیلے اور عذر ہیں کہ ہم کو نہ آوے گا واللہ اگر ابھی گورنمنٹ کی طرف سے حکم ہو جائے کہ سب سیکھو ورنہ سزا ہوگی۔ یا یہ حکم ہو جائے کہ فی حرف صحیح ہونے پر پانچ روپے ملیں گے تو ابھی سب سیکھ لیں اور تمام عذر جاتے رہیں۔ محنت عجیب شے ہے۔ جانوروں پر محنت کرتے ہیں وہ سدھ جاتے ہیں تم تو آدمی ہو تم کو نہ آنے کے کیا معنی^(۱)۔

سیکھنے کے بعد بھی تلفظ صحیح نہ ہو تو مواخذہ نہیں
اور اگر بالفرض اگر بعد محنت اور کوشش کے تم کو نہ آوے اور ناکامی ہو تو یہ
ناکامی کامیابی سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہ ناکامیابی حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔
گر مراد را مذاق شکر است بے مرادی نے مراد دلبر است

(۱) اگر دو حرف اور کسی قاری سے درست کر لیے جائیں تو کل ۱۴ یوم میں سب الفاظ کی درستی ہو سکتی ہے
اس لیے کہ کل حروف ۲۸ ہیں

(اگر تیری مراد پوری ہو جاتی ہے اور تجھے شکر کی عادت ہے تو بے مرادی بھی اچھی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پسند ہے)

سیکھنے سے پہلے کی غلطی یہ تو تمہاری غلطی ہے اور اگر سیکھ کر اور کوشش کر کے ناامید ہو جاؤ گے تو غلط اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہوگی ایسی غلطی پر ہزاروں صحت قربان ہیں جیسے کوئی بزرگ فرماتے ہیں۔ ع
براشد تو خندہ زند اسد بلال (بلال کا غلط تلفظ آپ کے صحیح تلفظ سے کہیں بہتر ہے)

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کی غلطیاں ہی پسند ہیں بشرطیکہ ان کے اختیار کو اس میں دخل نہ ہو پس ایسے غلط خواں بہت سے صحیح خوانوں سے بھی بڑھ کر ہوں گے۔

شہان موسیٰ کا قصہ

مثنوی شریف میں حکایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک چرواہے پر گزربوا کہ وہ کھتا تھا۔

تاکجائی تا شوم من چاکرت چارقت وہ زم کنم شانہ سرت
(یعنی تو کھماں ہے تاکہ میں تیرا چاکر ہوں تیری جوتیاں سینوں تیرے سر میں کنگھی کروں)

جامدات دوزم سپشہائے کشم شیریشٹ آورم اے مہشتم
(یعنی تیرا کپڑا سینوں تیری جوتیوں کا لوں۔ تیرے لیے بکریوں کا دودھ لالوں)
در ترا بیماری آید ز پیش من ترا غمخوار باشم بمپو خویش
(اور اگر تجھ کو کوئی بیماری پیش آوے تو میں تیرا غمخوار ہوں گا اپنے کی طرح)

دستک بوسم بہالم پاکت وقت خواب آید بروہم جاگت
(تیری دست بوسی کروں گا۔ تیرے پاؤں سہلوں گا۔ سونے کا وقت آوے گا تو
تیری جگہ صاف کروں گا)

گریہ بینم خانہ ات راسن دوام روغن و شیرت بیارم صبح و شام
(اگر میں تیرا گھر دیکھ لوں تو تیرے واسطے دودھ و گھی صبح و شام ہمیشہ لاؤں گا)
زین نمط بیہودہ میگفت آن شبان گفت موسیٰ علیہ السلام ہا کیستت اسے فلاں
(اس طرز سے وہ چرواہا بیہودہ کہتا تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ باتیں تو کس سے کر رہا
ہے)

گفت با آنکس کہ مارا آفرید ایں زمین و چمن ازو آمد پدید
(کہا میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ جس نے ہم کو پیدا کیا ہے یہ زمین اور فلک اس
سے ظاہر ہوئے ہیں)

گفت موسیٰ علیہ السلام ہائے خیرہ سرشدی خود مسلمان ناشدہ کافر شدی
(موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہائے تو توتباہ ہو گیا مسلمان نہیں رہا کافر ہو گیا)
اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بہت دھمکایا اور سمجھایا کہ حق تعالیٰ ان سب
حاجات سے پاک ہے اس کے بعد وہ چرواہا کہتا ہے

گفت اے موسیٰ علیہ السلام دبا نم درختی وز پشیمانی تو جانم سوختی
(کہا اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے تو میرا منہ سی دیا اور ندامت اور پشیمانی سے میری
جان پھونک دی) "اس کے بعد کپڑے پہاڑ کر جنگل کو چل دیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام
پروجی آئی چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

وحی آمد سونے موسیٰ علیہ السلام از خدا بندہ مارا چرا کردی جدا

(یعنی موسیٰ علیہ السلام کی طرف خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ ہمارے بندہ کو آپ نے جدا کیوں کر دیا)

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی
(یعنی آپ ہم سے ملنے کے لیے آئے ہیں نہ کہ جدائی ڈالنے کے لیے)
موسیا آواب دانال دیگر اند سوخته جال ورو دانال دیگر اند
(اے موسیٰ علیہ السلام عارفین کے آواب اور ہیں اور سوخته جان و دل کے آواب اور ہیں)
دیکھیے شبان موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ غلطی کر رہا تھا مگر چونکہ دل محبت و اخلاص سے لبریز لے ہوئے تھا اس لیے اس کی وہ غلطی اور بے ادبی ہی پسند آئی اسی طرح سے تمہاری غلطیاں مشق کرنے سے بھی نہ گئیں تو شبان موسیٰ علیہ السلام تو بن جاؤ گے اور اگر غلطیاں جاتی رہیں تو وزیر موسیٰ علیہ السلام ہو گے بلکہ وزیر محمد علیہ السلام بنو گے اور یہ مت کہو کہ ہم تو گنوار میں ہماری زبان موٹی ہے بعضے گنوار بھی محنت سے عالم ہو گئے ہیں۔

قرآن سیکھنے کے لیے محنت ضروری ہے

حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں ایک گوجر آئے ان کی زبان سے الف بھی درست نہ نکلتا تھا الف کو الف بفتح لام کہتے تھے اور ایک وقت وہ آیا کہ حدیث کا درس دیتے تھے۔ نا امید نہ ہونا چاہیے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تو گومار ابدال شد باز نیست با کریمیاں کار بادشوار نیست
(تو یہ بات مت کہہ کہ ہماری اس بادشاہ تک پہنچ نہیں ہے کیونکہ کریموں کے ساتھ کام و شوار نہیں ہوتا)

اور یہ یاد رکھو کہ بلا محنت و مشقت کچھ نہیں ہوتا اور شاذ و نادر^(۱) کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان پڑھ تھے ایک روز جو صبح کو اٹھے تو اچھے خاصے عالم تھے چنانچہ انہوں نے عربی میں خطبہ طویل پڑھا جس کی ابتداء یہ تھی الحمد للہ الذی امسیت کرریا واصبحت بفضلہ عربیاً^(۲) ان پر ایک شب ہی میں خدا کا فضل ہو گیا لیکن ایسے قسے شاذ و نادر ہوتے ہیں جس نے پایا ہے محنت مشقت ہی سے پایا ہے اور محنت سے مل جانا یہ بھی بڑا فضل ہے لیکن یہاں تو طلب ہی نہیں ورنہ۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد

اے خواجہ درد نیست و گرنہ طیب ہست

(ایسا کون سا عاشق ہے کہ جس کے حال پر اس کے محبوب نے نظر نہ کی ہو، اے شخص تیرے پاس درد نہیں ہے ورنہ طیب موجود ہے)

ہمارے اندر در حقیقت طلب نہیں ورنہ ان کے یہاں تو ناکامی بھی کامیابی ہے افسوس اتنی عطا اور کوئی لینے والا نہیں ایک ہفتہ بھی تو کوئی قرآن کی مشق نہیں کر لیتا۔ اگر ابھی گورنمنٹ کا حکم آوے کہ بقدر ضرورت انگریزی سیکھو ورنہ درخواست کر دیے جاؤ گے تو سب ملازمین ابھی انگریزی دال بن جائیں گے اگر اللہ میاں کے یہاں بھی یہی حکم ہوتا کہ قرآن صحیح کرو ورنہ روٹی بند ہو جائے گی تو ابھی سب کے قرآن صحیح ہو جاتے اور جیلے اور بہانے کرتے ہیں وہ سب رہ جاتے۔ لیکن حق تعالیٰ کی تو وہ شان ہے کہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور دو وقتہ روٹی دیتے ہیں۔ خدا نے راست مسلم بزرگواری و علم کہ جرم پسند و نال برقرار می دارد

(۱) کبھی کبھار (۲) تمام تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لیے ہیں کہ جب میں شام کو سویا تو جاہل تھا اور صبح اٹھا تو اس کے فضل سے عربی پڑھا دیتا تھا

(اللہ تعالیٰ کی بزرگواری اور بردباری مسلم ہے کہ جرم دیکھتا ہے اور رزق برقرار رکھتا ہے)

حاصل یہ ہے کہ قرآن کا حق یہ ہے کہ قرآن کو صبح کرنا چاہیے۔

قرآن خوش آوازی سے اور مناسب مقدار میں پڑھے
تیسرا حق یہ ہے کہ ایسی طرح نہ پڑھو کہ جی گھبراوے اور لوگ اکٹا جاویں
یعنی بہت زیادہ نہ پڑھو اور نہ بہت کم پڑھو اس سے بھی بعض اوقات دل تنگ ہوتا
ہے اور زیادہ سننے کا اشتیاق ہوتا ہے اور خوش الحانی سے پڑھو۔

قرآن سنا کر پیسے لینا جائز نہیں

چوتھا حق یہ ہے کہ قرآن کی تجارت نہ کرو۔ اس کو سن کر لوگ گھبرائے
ہوں گے کہ کیا قرآن کی تجارت بھی ناجائز ہے صاحبو! مکتوب قرآن کی تجارت
کو میں نہیں کہتا وہ تو جائز ہے میں ملفوظ قرآن کی تجارت کو ناجائز کہتا ہوں۔ بعض
حفاظ روپیہ ٹھیرا کر پڑھتے ہیں کہ دس روپیہ لیں گے تو پڑھیں گے ایسے حفاظ نے
قرآن کی قدر کچھ نہ سمجھی قرآن تو وہ شے ہے اور اس کی قیمت یہ ہے۔
ہر دو عالم قیمت خود گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
(تو نے اپنی قیمت دونوں عالم میں بتائی ہے اپنے دام اور بڑھا کر تو اب بھی سستا
ہے)

قرآن پڑھ کر کچھ لینا ناجائز ہونے کے علاوہ بہت ہی کم بہمتی کی بات ہے۔
لکھنوی میں ایک بزرگ تھے، کہیں سفر میں تھے چوروں نے ان کو لوٹ لیا صرف ایک
لنگی ان کے بدن پر رہ گئی کسی مسجد میں آئے قرآن شریف بے انتہا عجیب

پڑھتے تھے ایک رئیس کو خبر ہوئی کہ ایک شخص آئے ہیں اور اس حالت میں ہیں۔
قرآن بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ ان کو رحم آیا جوڑے اور نقد روپیہ اور کھانا بہراہ
لائے۔ اور ان سب کو ایک طرف رکھ دیا لیکن تھے بے عقل اور تمیز نہ تھی۔
بزرگوں کے صحبت یافتہ نہ تھے آکر بیٹھے اور کہا کہ حضرت میری درخواست ہے
کہ آپ مجھے کچھ قرآن سنائیے انہوں نے قرآن شریف سنایا اس نے قرآن سن
کر وہ سب سامان پیش کیا انہوں نے فرمایا کہ بیشک اس وقت مجھ کو حاجت ہے اور
میں ضرور لے لیتا لیکن اس وقت تو مجھ کو آیت لا تشترُوا بآیاتنی ثمنًا
قلیلًا اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر آپ پہلے دیتے تو لے لیتا اب تو میں ہرگز نہ
لوں گا۔ سبحان اللہ کیسے مخلص تھے۔

مولانا اسماعیل شہید کا خلوص

ایک اور خلوص کی حکایت یاد آئی مولانا اسماعیل صاحب شہید نے ایک
جمع میں وعظ فرمایا۔ وعظ فرما کر نکل رہے تھے کہ ایک شخص ملا اس نے عرض کیا کہ
حضرت میں نے وعظ سنا ہی نہیں فرمایا اچھا پھر کھدوں گا سنو۔ چنانچہ پھر اکیلے سامنے
وہی وعظ کھدیا اللہ اکبر کس قدر خلوص ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات
جو کچھ کرتے تھے محض اللہ ہی کے واسطے کرتے تھے۔ اس میں نفس کی آمیزش نہ
ہوتی تھی ہم تو اپنی کہتے ہیں کہ ہم سے اگر کوئی اس طرح درخواست کرے ہم تو پھر
کبھی نہ کہیں بلکہ اگر جمع کم ہو جب بھی دل نہیں لگتا۔

قرآن کے مقابلے میں ہفت اقلیم کی دولت بھی گرد ہے

الغرض ان بزرگ نے وہ سامان باوجود اصرار کے نہ لیا یہ لوگ تھے امراء اور

دو تہذیبوں کی نظروں میں ہفت اقصیٰ کی سلطنت بھی گرد تھی اور گرد کیوں نہ ہو جس کے پاس حق تعالیٰ کی دی ہوئی اتنی بڑی دولت ہو وہ سلطنت کی کیا قدر کرے۔ پس اسے حفاظ آپ اپنی قدر کیجیے اور دس دس پندرہ پندرہ روپیہ پر رال نہ ٹپکائیے۔ بڑا افسوس ہے کہ قرآن کو سچا بھی تو کہتے ہیں دس روپیہ میں۔ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری بڑے ظریف تھے۔ ایک مرتبہ آپ شیعوں کی مجلس میں پہنچے اور فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے حضرت یزید پر۔ اللہ تعالیٰ بخشے شہر ذی الجوشن کو، بڑے عالی ہمت تھے۔ شیعہ سن کر کہنے لگے کہ حضرت توبہ کیجیے کن کافروں کی آپ مدح کر رہے ہیں کہنے لگے کہ بھائی کچھ ہو مگر تھے بڑے عالی ہمت، ایمان انہوں نے سچا تو مگر ملک شام کی سلطنت کے بدلے۔ اب تو کم ہمت بھی ہیں اور بے ایمان بھی کہ آدھ آدھ سیر حلوے پر ایمان چیتے ہیں۔ شیعہ سن کر بہت کچھ ہوئے۔ ایک عربی کی مثل مشہور ہے۔ ان سرقت فاسرق الدرۃ و ان زنبت فاذن بالحرۃ^(۱)۔ قاضی امیر احمد صاحب مرحوم تھانوی جلال آباد میں امام عیدین تھے۔ ایک مرتبہ عید کی نماز کے بعد ایک خانصاحب نے پانچ روپیہ نذر پیش کیے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ آپ اپنے لائق دیتے ہیں یا میرے لائق اگر آپ اپنے لائق دیتے ہیں تو آپ کی لیاقت اس سے بہت زیادہ ہے اور اگر میرے لائق آپ دیتے ہیں تو میری لیاقت تو اتنی بھی نہیں اور واپس فرمادیے غرض عوض بھی لیا تو اتنا کم، اسے حفاظ تم تو اللہ کے واسطے پڑھو اور اپنے ثواب کو برباد نہ کرو۔

(۱) اگر چوری ہی کرتی ہے تو تادور موتی چرواؤ اور اگر زنا کرتا ہی ہے تو کسی آزاد سے کرو

تراویح میں قاری اور سامع دونوں کو پیسے لینا ناجائز ہے

ایک مسئلہ اور ہے اس میں مجھ سے غلطی ہو چکی ہے وہ یہ ہے کہ میں سمجھا کرتا تھا کہ سامع کو روپیہ لینا جائز ہے میں اس کو تعلیم پر قیاس کیا کرتا تھا لیکن پھر سمجھ میں آیا کہ سماعت کو تعلیم میں داخل کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ تعلیم سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور سامع کے ہٹانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور نیز جو لے ہوئے کو ہٹانا یہ نماز کی اصلاح ہے اور اصلاح نماز عبادت ہے۔ اس لیے قاری کو جائز ہے اور نہ سامع کو۔ قواعد کلیہ سے یہ دونوں فتوے دیے ہیں۔ اگر کسی کو اس کے خلاف جزئیہ معلوم ہو تو میں اس سے بھی رجوع کر لوں گا۔ علاوہ عدم جواز کے میں نے یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے پر لینے سے حرص پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر جائز بھی ہوتا اس مرض سے بچنے کے لیے بھی اس سے پرہیز ہی بہتر تھا اور تعلیم قرآن پر جو فقہانے فتویٰ دیدیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس پر لینا ناجائز ہو تو تعلیم قرآن گنہم ہو جائے اور اس کا باقی رکھنا ضروری ہے۔ اور تراویح میں اگر قرآن نہ سناویں تو کسی ضروری امر میں غفل نہیں پرہیز۔ بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ اگر روپیہ نہ دیں گے تو تراویح کا ترک لازم آوے گا۔ یہ قیاس صحیح نہیں تراویح ترک نہ ہوں گی بلکہ ختم قرآن چھوٹ جاوے گا اور وہ ضروری نہیں۔ بعض یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے واسطے پڑھیں گے نماز اللہ کے واسطے دیدہ ہو۔ صاحبو یہ نہرے الفاظ ہی ہیں مطلب صاف یہی ہوتا ہے کہ پڑھنے کی وجہ سے لیتے ہیں یہ نیت نہیں ہوتی کہ اللہ کے لیے دونوں کام ہوں گے بلکہ یہ مفض الفاظ اصطلاحی ہو گئے ہیں یہ الفاظ بول کر ان کے معنی موضوع^(۱) مراد نہیں لیتے بلکہ اجارہ^(۲) ہی مراد لیتے ہیں جیسے نامکروہ

(۱) یہ الفاظ بول کر وہ معنی مراد نہیں ہوتے جن کے لیے یہ الفاظ وضع کیے گئے ہیں (۲) کرا یہ کام معاملہ ہی کرنا مراد ہوتا ہے کہ ہم سنائیں گے اس کے عوض تم رقم دینا

بول کر مکروہ اور خالص سے خالص مراد لیتے ہیں اور علامت اس کی یہ ہے کہ اگر اس کھنے کے بعد حافظ جی کو یہ معلوم ہو جاوے کہ یہ لوگ کچھ نہ دیں گے تو اسی وقت بھاگ جاویں گے یا اگر ختم پر کچھ نہ دیں تو پھر دیکھیے کیا مزہ آتا ہے خوب لڑائی ہو یا حافظ جی اگر کچھ مہذب ہوئے تو لڑائی تو نہ ہوگی لیکن دل میں یہ ضرور سمجھیں گے کہ ان لوگوں نے حق تلفی کی غرض کہ کچھ بھی مت لو۔

تراویح میں ختم قرآن پر مٹائی تقسیم کرنا ضروری نہیں

اور منہج منکرات کے مٹائی تقسیم کرنا ہے۔ اس کو لوگ چونکہ ضروری سمجھنے لگے ہیں اس لیے اس کو بھی چھوڑنا چاہیے۔ اگر تم کو قرآن شریف ختم ہونے کا شکر یہ ادا کرنا ہے گھر جا کر اور مٹائی مٹا کر سب کے یہاں حصے لگا کر بھیجو مسجد میں تقسیم نہ کرو۔ اور ایسے ہی خرچ کرنے والے ہو تو اناج^(۱) تقسیم کرو۔ روپیہ تقسیم کرو کوئی بکرا، گائے ذبح کر کے تقسیم کر دو۔ مٹائی ہونا فرض نہیں حضرت عمر فاروقؓ کی جب سورہ بقرہ ختم ہوئی تو انہوں نے ایک اونٹنی ذبح کی تھی۔ مسجد میں تقسیم کرنے سے بڑی بے لطفی اور مسجد کی بے ادبی ہوتی ہے اور بڑا شور و غل ہوتا ہے۔ لکھنؤ میں ایک ہمارے دوست تھے۔ وہ کبھی مجلس مولد کیا کرتے تھے مگر منکرات سے خالی۔ گو ہم مقاصد^(۲) عوام کے سبب اس کو بھی پسند نہیں کرتے۔ عرض وہ یہ عمل کرتے اور جس جس کو بلانا ہو فہرست کے ساتھ مٹائی بھیج دیتے تھے اب جس کا جی چاہے آوے جس کا جی چاہے نہ آوے اور نیز اب جو کوئی آوے گا تو خلوص سے آوے گا۔ مٹائی کے لالچ میں نہ آوے گا اور ختم قرآن کے

(۱) گندم وغیرہ (۲) ایسا میلہ جو گانے بجانے اور منکرات سے خالی ہو وہ بھی عوام کے فساد عقیدہ کی وجہ سے ناپسندیدہ ہے اور قابل ترک ہے

موقع پر بیس بیس روپے کے پیسے غربا و مساکین کو تقسیم کر دیتے اور پھر کچھ مٹھائی
 ہونا ضروری نہیں۔ ہم نے ایک مرتبہ اپنے ختم قرآن کے شکر یہ میں کباب تقسیم
 کیے تھے اور تقسیم کا وقت بھی بدل دیا افطار کے وقت تقسیم کر دیے۔ ایک قاری
 صاحب وہ گوشت روٹی کی دعوت کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ کھتے ہیں کہ ان
 مولویوں نے سب خرچ بند کر دیے۔ صاحبو خرچ کو کون بند کرتا ہے میں نے تو
 بہت سی صورتیں خرچ کی بتلا دی ہیں۔

تقسیم مٹھائی میں کیجانے والی کوتاہیاں

مٹھائی کو جو منع کیا جاتا ہے سو منکرات کی وجہ سے روکا جاتا ہے، منجملہ
 منکرات کے یہ بھی ہے کہ اس کا التزام ہوتا ہے^(۱) کہ کوئی آدمی محروم نہ جائے
 ورنہ بڑی بدنامی ہوگی۔ عرب کے لوگ خوب ہیں جہاں تک شی تقسیم ہو سکتی ہے
 کرتے ہیں۔ ورنہ کھدیتے ہیں کہ بس خلاص، وہاں اس کی پرواہ نہیں ہے کہ بدنامی
 ہوگی اور اس مٹھائی کی بدولت کیا ہوتا ہے کبھی ایک صاحب امام صاحب کے پاس
 آتے ہیں کہ حافظ جی کچھ عرض کرنا ہے آہستہ سے کہا کہ بازار آدمی گیا ہے مٹھائی
 کے لیے ذرا تمام تمام^(۲) کر پڑھیو۔ اب حافظ صاحب اور دنوں میں تو آدھ گھنٹہ
 میں دو پارہ پڑھتے تھے آج خوب کھینچ کھینچ کر اور آواز بنا بنا کر پڑھتے ہیں۔ جب
 دیکھا کہ آگیا پھر جلدی جلدی پڑھ کر ختم کر دیا۔ ایک سب سے بڑھ کر خرابی یہ
 ہے کہ مٹھائی کے لیے چندہ ہوتا ہے اور وجہ آدمی وصول کرنے والے ہوتے ہیں
 جو اپنی وجاہت سے غرباء کو دبا کر وصول کرتے ہیں اگر کسی نے ۳ آنے دیے تو

(۱) انہی ممنوع باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ مٹھائی کی تقسیم میں اس کا بھی بہت اہتمام ہوتا ہے کہ کوئی
 محروم نہ رہے (۲) آہستہ آہستہ پڑھنا

کھتے ہیں میاں تم چار ہی آنے دیتے ہو تم سے تو ایک روپیہ لیں گے وہ بچار اشرما جاتا ہے جب اس مٹائی کے اندر یہ خرابیاں ہیں تو بتلائیے کہاں تک صبر کیا جائے کیوں نہ روکا جائے۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است اگر خاموش بنشینم گناہ است
(اگر میں دیکھوں کہ سامنے ایک اندھا اور کنواں ہے اور اس پر اگر خاموش بیٹھوں تو گناہ ہے)

غرض یہ مٹائی کیا ہے مجذوب کا گوٹا ہے جس کی وجہ سے بہت سے منکرات پیدا ہوتے ہیں۔

ایک مجذوب کی حکایت

ایک مجذوب صاحب برہنہ^(۱) رہا کرتے تھے۔ معتقدوں نے عرض کیا کہ حضور آپ ننگے برے معلوم ہوتے ہیں۔ کم از کم لنگوٹا باندھ لیجیے کھنے سننے سے انہوں نے لنگوٹا باندھ لیا۔ اب جو کچھ کھاتے پیتے چونکہ بوش تو درست نہ تھے وہ لنگوٹے پر بھی گر جاتا اور وہ چلنا ہو جاتا اس کو چوہے کاٹنے لگے۔ چوہوں کو دفع^(۲) کرنے کے لیے ایک بلی پالی گئی اس نے یہ خرابی کی کہ جو کچھ شاہ صاحب کے لیے دودھ دہی رکھا ہوتا وہ کھا جاتی اس لیے حفاظت کے لیے ایک کتار کھا گیا۔ کتا بھی کچھ نقصان کرنے لگا تو ان سب کی نگرانی کے لیے ایک آدمی رکھا گیا۔ وہ آدمی آوارہ سا تھا ادھر ادھر جاتا تھا۔ یہ تمویز ہوا کہ اس کا کھاج کر دینا چاہیے۔ چنانچہ اس کا کھاج کر دیا گیا اس کے کئی بچے ہو گئے۔ ایک روز مجذوب صاحب جو اتفاق کی حالت میں آئے تو دیکھا بلی ہے کتا ہے مرد اور عورت بہت بکھیرا جمع ہے پوچھا کہ یہ کیا

(۱) ننگے (۲) بھگانے کے لیے

ہے۔ سارا قصہ سنایا مجذوب نے کہا کہ ابا یہ سب اس لنگوٹے کی وجہ سے ہوا۔ جاؤ ہم لنگوٹا نہیں رکھتے۔ اور یہ کہہ کر لنگوٹا کھول کر پیونک دیا تو صاحبو جس مٹائی کی وجہ سے اس قدر منکرات لازم آئیں اس کو ترک کر دینا چاہیے۔

ختم قرآن پر کیجانے والی ایک اور خرابی

ختم کے روز ایک اور خرابی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس حافظ جی کا مصلہ کیا ہوتا ہے پنساری کی دوکان ہوتی ہے کہیں اجوائن کی پڑیاں ہوتی ہیں کہیں سیاہ مرچیں کوئی ان صاحبوں سے پوچھے کہ ان حافظ صاحب نے قرآن تساری اجوائن کے لیے پڑھا تھا۔ یاد رکھو کہ اجوائن پر دم کرنا یہ دنیا کا کام ہے۔ دین کے کام کی غایت دنیا کو بنانا بہت نازیبا ہے۔

تعویذ پر اجرت لینے اور قراءات قرآن پر اجرت لینے میں فرق اور تعویذ و نقش لکھنا اس کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ وہ خود دنیا ہی کا کام ہے تو اس کی غایت دنیا ہونا مضائقہ نہیں وہ تو ایسا ہے جیسے حکیم جی کا نسخہ لکھنا عبادت نہیں اس پر اگر اجرت بھی لے تو کچھ حرج نہیں۔ اور قراءات قرآن عبادت ہے اس کی غایت اور ثمرہ صرف آخرت میں ملے گا۔ اس کی صریح دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے اقرأوا القرآن ولا تأکلوا بہ یعنی قرآن پڑھو اور اس کے عوض میں کھاؤ نہیں۔ ایک حدیث یہ ہے اور ایک دوسری حدیث شریف میں ایک اور قصہ آیا ہے وہ یہ ہے کہ چند صحابہ سفر میں تھے ایک گاؤں میں گزر ہوا ان گاؤں والوں نے ان کو کھانا تک نہ کھلایا اتفاقاً وہاں ایک شخص کے سانپ نے کاٹ لیا ایک شخص ان کے پاس آیا اور پوچھا افییکم راق یعنی کیا تمہارے

میں کوئی منتر پڑھنے والا ہے۔ ایک صحابی تشریف لے گئے اور یہ کہا کہ ہم جب دم کریں گے جبکہ ہم کو سو بکریاں دو۔ انہوں نے وعدہ کر لیا۔ انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا۔ سبحان اللہ ان حضرات کی کیا پاکیزہ زبان تھی فوراً شفا ہو گئی۔ ایسا ہو گیا جیسے رسی میں سے کھول دیتے ہیں۔ اس شخص نے حسب وعدہ سو بکریاں دیں۔ وہ لیکر اپنے ساتھیوں میں آئے۔ بعض نے کہا کہ لینا ان کا حلال ہے بعض نے کہا حرام۔ جب حضور ﷺ کے یہاں حاضر ہوئے تو اس کا استفتاء کیا گیا۔ فرمایا ان احق ما اخذتم علیہ کتاب اللہ یعنی جس شے پر تم اجرت لیتے ہو اس میں سب سے احق کتاب اللہ ہے اور بلا اندیشہ کھاؤ بلکہ میرا حصہ بھی لگاؤ۔ اب ظاہر اس حدیث میں اور حدیث سابق میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ لیکن فی الواقع کچھ بھی تعارض نہیں۔ اس قصہ میں تو قرآن کو جواز پھونک کے طور پر پڑھا گیا ہے اور اس طور سے پڑھنا عبادت نہیں ہے اس لیے اس پر معاوضہ لینا جائز ہے۔ اور اقروا القرآن لاتاکلوا بہ میں قراءۃ قرآن کے مراد قراءۃ بطور عبادت ہے اس لیے اس پر معاوضہ لینا حرام اور دین کو دنیا سے بدلنا ہے اسی طرح اجوائی پر قرآن کو دم کرنا یہ دین کی غایت دنیا کو بنانا ہے اور بہت بے ادبی ہے اور قرآن کو اس کے مرتبہ سے گھٹانا ہے میں یہ تو نہیں سمجھتا کہ ناجائز ہے لیکن پیٹ بھر کر بے ادبی ہے۔

غایت قرآن

صاحبو! یہ قرآن تو وہ ہے جس کی نسبت ارشاد ہے ان تخلق بطنی و دمی و عظمی اسے اللہ قرآن کو آپ میرے گوشت، خون، ہڈیوں میں خلط کر دیجیے یعنی میرے تمام جسم کو قرآن سے متاثر کر دیجیے یہ ہے قرآن کی غایت اگر کوئی کہے کہ یہ تو نیا مسئلہ ہے۔ صاحبو! یہ نیا نہیں۔ یہ پرانی بات ہے۔ اگر نئی ہے تو بتلویا

کسی تاریخ میں دکھلاؤ کہ صحابہؓ نے قرآن کو عبادت کے طور پر ختم کر کے اجوائن پر دم کیا ہو اس کے علاوہ اور بہت سے منکرات ہیں اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ نماز کے حقوق اول بیان ہو چکے ہیں۔ یہ قرآن کے حقوق ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حقوق کو پوری طرح ادا کرنا چاہیے۔ جب حقوق ادا کیے جاویں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ مصلح اور حکمتیں کہ جن کے لیے یہ عبادتیں موضوع^(۱) ہوئی ان پر مرتب ہوں گی اور اگر حقوق ادا نہ کیے تو وہ خاصیتیں ظاہر نہ ہوں گی۔ مجھ کو بس اسی قدر بیان کرنا تھا۔ اس سے پہلے حقوق صوم بیان ہو چکے ہیں جو کہ فرض ہے اور یہ سنت کے حقوق ہو گئے۔ باقی ایک اور مضمون بیان کرنے والا تھا وہ یہ ہے کہ ایک خاصیت تو روزہ اور نماز کی ان کی صورت نوعیہ کے اعتبار سے ہے۔ اس میں تخصیص فرض اور سنت کی نہیں ہے دونوں کو عام ہے وہ تو بیان ہو گئی اور ایک خاصیت ان کی فرض اور سنت ہونے کے اعتبار سے ہے یعنی نماز اور روزہ فرض کی خاصیت جدا ہے اور نماز اور روزہ سنت کی خاصیت جدا ہے اور یہ خواص قرب فرائض و قرب نوافل اصطلاح میں کہلاتے ہیں۔ لیکن چونکہ وقت نہیں رہا اس لیے اگر کسی موقع پر یاد رہا تو کیا عجب ہے کہ بیان ہو جائے ورنہ جس کی ضرورت تھی وہ مضمون بیان ہو گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ توفیق عطا فرمادیں۔ فقط

تمام شد

